مینڈک کی ہئیت کی مخلوق اس کے کندھے پہ چپکے سے آ بیٹھی اور اس نے اپنی لمبی سونڈ کے ذریعے حنہ کے دل کو پکڑا' اور پھر اس پہ گرہ لگائی۔
ایک' دو' تین۔ حنہ بے خبر سوتی رہی۔ ساری دنیا سوتی رہی۔
''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے... اٹھو اور خبردار کرو۔''
دفعتاً ایک جھٹکے سے حنہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آس پاس ہاتھ مارا۔ موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ کیا وہ الارم سے اٹھی تھی؟ پانچ الارم لگائے تھے اس نے مگر... پہلے الارم کے بجنے میں ابھی چار منٹ رہتے تھے۔ پھر وہ کس چیز سے اٹھی؟ اذان کی آواز سے؟ مگر اذان میں ابھی دس منٹ تھے۔ پہلی اذان تو ابھی ہوئی ہی نہیں تھی۔
''اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کرو۔''
حنین سن رہ گئی۔ کوئی آواز اس کو سنائی دی تھی۔ بھولی ہوئی سورہ المدثر جو اس کو جاگتے میں بھی یاد نہ آتی' آج سوتے میں یاد آئی تھی۔ وہ مخلوق بھی خاموشی سے اس کے دل کو جکڑے بیٹھی رہی۔
''سب تعریف اس اللہ کی جس نے ہمیں مار دینے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا۔ اور اسی کی طرف ہم نے پلٹنا ہے۔'' وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دل کو باندھے ہوئے تین گرہوں میں سے ایک چھناکے سے ٹوٹی۔
حنہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ آج آنکھیں کھولتے اسے موت کیوں نہیں پڑی؟ احساسِ ذمہ داری تھا یا کیا؟
''اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو۔ اور ہر قسم کی گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھو۔''
وہ سر جھٹک کر بستر سے نکلی اور جب وہ سنک کے اوپر کھڑی' ٹوٹی کھول کر وضو کرنے لگی تو دل پہ دوسری گرہ بھی جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔
آدھی بھیگ کر وہ باہر نکلی اور جائے نماز اٹھانے لگی۔ پھر رکی۔ اونہہ۔ جلدی سے الماری میں گئی۔ اس دن درزی سے دو نئے سردیوں کے جوڑے سل کر آئے تھے۔ اب وہ ان لوگوں میں سے نہیں رہی تھی جو نیا جوڑا ''کسی کے گھر جاتے ہوئے پہلی دفعہ پہنیں گے'' کہہ کر الماری میں سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔ نیا جوڑا سب سے پہلے نماز میں پہننا ہوتا ہے۔ اس نے بال برش کیے' چوٹی گوندھی۔ نیا لباس پہنا۔ سلیقے سے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا۔ اور جائے نماز پہ آ کھڑی ہوئی۔ اللہ اکبر کہہ کر جیسے ہی رفع یدین کیا' دل پہ لگی تیسری گرہ بھی ٹوٹ گئی۔ مگر وہ مخلوق ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس کے کان میں بولنے لگی۔ اس کو پچھلے دن کے کام یاد کروانے لگی۔ ذہن میں شک ڈالا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا پہلی؟ اس میں بیٹھنا ہے یا نہیں بیٹھنا؟ پھر ہاشم کا چہرہ دکھانے لگی' مگر اسے علاج مل چکا تھا۔ نماز کے دوران ہی حنہ نے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ کر بائیں طرف کو تھوک دیا۔ اعوذ باللہ معجزے کر دیتا ہے۔ لوگ آزماتے نہیں ورنہ اس سے بڑی دوا کیا ہو گی کوئی؟
باقی کی نماز سکون سے پڑھی گئی۔
سلام پھیر کر جب اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سمجھ نہیں آیا کہ کیا مانگے۔ دل میں کوئی عجیب سی خوشی ابھری تھی۔ بار بار ادھر ادھر دیکھتی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ اوراف... یہ اٹھ جانے میں کتنا مزا تھا۔ کتنا سکون تھا۔ اس اندھیرے میں اپنی اندھیر زندگی کے بارے میں اس نور والے سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔
(اوہ اللہ... اوہ اللہ... سب تعریف آپ کے لئے ہی ہے... آپ نے مجھے فجر دے دی.. برسوں بعد میں فجر پہ اٹھی... اوہ اللہ...)
زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کو سمجھ آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ... ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ... کیوں ان کو فجر کی دو رکعتیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ کیوں رحلت فرمانے سے پہلے.... آخری سانسوں میں... وہ فرماتے رہے تھے۔ نماز نماز نماز... اور یہ کیفیت... یہ وہی ''چکھ سکتا ہے جو فجر اور تہجد پہ اٹھتا ہے۔
''ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔

سوائے دائیں بازو والوں کے
جو جنتوں میں ہوں گے
اور پوچھیں گے مجرموں سے
کہ کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں...
(جہنم والے) کہیں گے...
نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔'' (سورہ المدثر)

جائے نماز طے کر کے وہ اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ پٹ کھول کر سرد ہوا کو اس نے اندر آنے دیا۔ وہاں ایک خوبصورت کالونی نظر آ رہی تھی۔ نئے گھر سے قصرِ کاردار جیسا منظر نہیں نظر آتا تھا مگر اسے وہ منظر دیکھنا بھی نہیں تھا۔

(کیا چیز لے کر گئی تمہیں جہنم میں؟ وہ کہیں گے... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے...)

اس نے آنکھیں بند کر کے سرد ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ آج... اسے کچھ بہتر مل گیا تھا۔ حنین کے خیال میں وہ اب بھی اللہ سے ویسی محبت نہیں کرتی تھی جیسی کرنی چاہیے' مگر وہ اب اللہ تعالیٰ سے ایک ریلیشن شپ ضرور بنانا چاہتی تھی۔ اللہ کے سامنے اس کا امپریشن ٹھیک ہو جائے.. اللہ اس کی تعریف کرے... اس کے دل میں... سب سے بڑی تمنا یہی رہ گئی تھی۔ اور وہ جو اللہ کو پسند ہے.. فجر کی نماز... اس کو اس نماز سے محبت ہو گئی تھی۔ آج اسے اعلیٰ محبت اور ادنیٰ محبت میں فرق سمجھ آ گیا تھا۔

ٹھنڈی ہوا میں کھڑی حنین نے آج... ہاں آج اس نے ہاشم کاردار کو دل سے جانے دیا تھا۔ مرضِ عشق کی جس برف نے اس کے دل کو جما دیا تھا' فجر کی پہلی کرن نے اسے پگھلا دیا تھا۔

آج حنین یوسف آزاد ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دل کی مالک بنی تھی یا نہیں' مگر اس نے اس ساحر کے قبضے سے اپنا دل ضرور چھڑا لیا تھا۔

ماہِ کامل ابھی تک جامنی آسمان پہ دمک رہا تھا اور زمین پہ بہتے بڑے بڑے سمندروں کو اپنے اشاروں پہ چلا رہا تھا۔ اوپر... نیچے آگے... پیچھے...

.....❖❖❖.....

کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی' بدل چلا دور آسماں بھی ..... جو رات بھاری تھی ٹل گئی ہے' جو دن کڑا تھا گزر گیا ہے

صبح ایسا سنہرا سونے کے تھال سا جھلملاتا سورج آسمان پہ چمکا تھا کہ سارے شہر نے پگھل کر انگڑائی لی۔ کوئی جمود سا ٹوٹا۔ دھند کی چھٹی اس اونچے ہوٹل کا وسیع و کشادہ مرکزی بیڈروم سنہرے رنگ میں آراستہ دکھائی دیتا تھا۔ قیمتی دیوار گیر پردے کھڑکی کے آگے سے ہٹے تھے اور دھوپ پورے کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ سنہری ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے فارس بیٹھا تھا' اور سامنے اسٹول پہ بیٹھی' خود کو آئینے میں دیکھ کر بال برش کرتی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چہرہ بائیں طرف جھکائے' بالوں کے سروں میں برش چلاتے ہوئے بولی۔

''اب گھر چلتے ہیں' اس سے پہلے کہ سب سمجھیں' ہم واقعی بھاگ چکے ہیں۔''

فارس نے بے اختیار سر جھٹکا۔ ''فی الحال وہ مجھے اپنے گھر والے کم اور سسرال والے زیادہ لگ رہے ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دی اور چہرہ جھکائے بال برش کرتی رہی۔

''پتہ ہے مجھے تمہاری سب سے خوبصورت بات کیا لگتی ہے۔''

''نہیں پتہ۔''

''تمہارے بال۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کی چند گھنگھریالی لٹیں انگلیوں میں اٹھائیں۔ زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر

سے دیکھا اور مسکرائی۔ ''ہاں میرے بالوں کے curls ہمیشہ سب کو پسند رہے ہیں۔''

''نہیں' ان کے کرلز نہیں' مجھے ان کا رنگ پسند ہے۔''

''رنگ؟'' زمر نے ایک دم چونک کر برش رکھ دیا۔

''ہاں۔ان کا براؤن کلر۔'' (زمر نے بے اختیار تھوک نگلا مگر وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔) ''سعدی اور سیم کے بال بھی براؤن ہیں لر تمہارا کلر بہت مختلف' بہت خوبصورت ہے۔'' وہ نرمی سے اس کے بالوں کو چھو کر کہہ رہا تھا۔زمر...نے ذرا...غیر آرام دہ ہو کر برش رکھا۔

''میرے بالوں کا رنگ بھی سعدی کی طرح ہے...مطلب میرا اصل کلر۔یہ چاکلیٹ براؤن تو میں...ڈائی کرتی ہوں۔'' اور اپنے ل نرمی سے چھڑا لئے۔

فارس کو چند لمحے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔وہ بس سنہری آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ ''کیا مطلب؟''

''فارس! میرے بال سعدی جیسے ہی ہیں' یہ ذرا زیادہ براؤن میں نے خود کئے ہوئے ہیں۔مجھے ایسے اچھے لگتے ہیں۔میرا فون کیا تم نے آف کر دیا تھا؟'' اس نے اپنا فون اٹھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

''ایک منٹ۔یہ...اصلی کلر نہیں ہے؟ مگر جب میں نے تمہاری یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا' تب بھی تمہارے بالوں کا یہی کلر تھا۔''

''میں ۲۲ سال کی عمر سے بال ڈائی کر رہی ہوں فارس۔پاکستان کی ہر تیسری لڑکی بال ڈائی کرتی ہے۔اف اتنے میسجز...'' وہ سکرین کو دیکھ رہی تھی۔جب وہ کچھ نہ بولا تو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ ابھی تک اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے تم سات...آٹھ سال سے مجھے دھوکہ دے رہی ہو؟ قانوناً اس کی کیا سزا ہوتی ہے؟''

''میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔تم نے پہلے کبھی اس بارے میں بات نہیں کی تو میں کیا بتاتی۔'' وہ خفا ہوئی۔

''یہ تمہارے curls بھی نقلی ہیں پھر؟'' وہ مشکوک ہو چکا تھا۔

''اف فارس' میرا کچھ بھی نقلی نہیں ہے' صرف ذرا سا کلر ہے یہ۔'' مگر وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں زمر بی بی...آپ نے مجھے اتنے سال دھوکے میں رکھا...میں آپ کا ہر ظلم معاف کر سکتا ہوں' مگر یہ نہیں۔آپ نے میرا دل توڑا ہے۔کیسے لوٹائیں گی آپ مجھے میرے آٹھ سال؟ کیونکہ آج مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے آپ سے بالکل بھی محبت نہیں رہی۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتا' ابھی تک تعجب سے کہہ رہا تھا۔زمر نے گردن موڑ کر تند ہی سے اسے دیکھا۔

''کتنا بولنا آ گیا ہے تمہیں۔'' وہ ابھی جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا تھا کہ اس کا اپنا موبائل جیب میں تھرتھرانے لگا۔اس نے نکال کر دیکھا۔آبدار...اس نے کال کاٹی۔

''میں اس معاملے کو اتنی جلدی نہیں ختم کرنے والا' واپس آ کر اس بارے میں بات کرتا ہوں۔'' اس کا تو بھئی واقعی دل ٹوٹ گیا تھا۔خفا سے لہجے میں کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔اور پھر' اپنے دوسرے چھوٹے موبائل سے کال بیک کی۔آبی نے فوراً اٹھا لیا تھا اور اس کی آواز سن کر چہکی تھی۔

''تو فارس غازی کا ''بلا کڈ نمبر'' بھی ہے۔امید ہے یہ بگ نہیں ہو رہا ہوگا' کیونکہ مجھے آپ سے بہت خاص بات کرنی ہے۔''

''آئندہ میری بیوی سے اس ٹون میں بات مت کیجئے گا۔'' وہ اندر زمر سے خفا لہجے میں شکایت کرنے والے فارس غازی سے بالکل مختلف اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔آبدار کو لمحے بھر کے لئے سمجھ نہیں آیا' پھر رات والا اپنا رویہ یاد آیا تو دانتوں تلے زبان دی۔

''میرے منہ سے نکل گیا تھا' میں تو...''

''وہ مجھے بہت عزیز ہے' اور جتنی عزت میں اس کی کرتا ہوں' آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی کریں گی۔اب بتائیے' کیا بات

تھی؟'' ہموار مگر بے لچک انداز میں رات والا ادھار چکا کر وہ بولا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔

''سعدی اور خاور کل جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ میں نے رات میں آپ کو بہت کالز کیں۔ مگر آپ کا فون آف تھا۔'' بجھے لہجے میں بولی۔

''کیا؟'' وہ ایک دم ششدر رہ گیا۔ پھر بے اختیار پیشانی مسلی۔ ہونٹوں پہ بند مٹھی رکھی۔ سمجھ نہیں آیا کہ جذبات کو کیسے قابو کرے۔

''ہاشم نے بابا کو بتایا ہے کہ وہ انہیں اب تک نہیں ڈھونڈ پائے۔ اب معلوم نہیں ڈھونڈ کر چھپا لیا ہے' یا واقعی وہ دونوں لاپتہ ہو چکے ہیں۔''

فارس نے کچھ کہنے بنا فون رکھ دیا اور جب وہ واپس کمرے میں گیا تو بالکل خاموش تھا۔

گھر آ کر اس نے زمر کو سب کے سوالوں کے جوابات دینے چھوڑ دیا اور خود اس اوپری منزل کے بیڈ روم میں آ گیا جو زمر اور اس کے لئے ندرت نے سیٹ کیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور اس پہ ایک محفوظ شدہ لنک کھولا۔

جو پین... زہریلا پین اس نے سعدی کو بھیجا تھا۔ اس میں جی پی ایس ٹریسر لگا تھا۔ اسکرین پہ وہ جی پی ایس ایکٹو سگنل دے رہا تھا۔ کل رات سے پہلے تک وہ اس علاقے میں تھا جہاں ہارون عبید کا ہوٹل تھا۔ مگر آج صبح۔۔۔ وہ اس ہوٹل سے کئی کوس دور... ایک پارک میں آ کر رک گیا تھا' اور ابھی تک ایکٹو تھا۔

سعدی کے پاس اگر وہ پین تھا تو وہ اتنے گھنٹوں سے اس پارک میں کیوں بیٹھا تھا؟ یا پھر وہ پین کس کے پاس تھا؟ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ سے اس کو معلوم تھا کہ سعدی یوسف کہاں ہے۔ مگر پہلی دفعہ اس نے سعدی کی لوکیشن کھودی تھی۔ شاید اس نے پین میں زمر کو کال کی ہو' مگر... فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

پچھلے آٹھ ماہ کی اَن تھک محنت کے بعد... پہلی دفعہ وہ صرف اپنے اور زمر کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا' زندگی پہ اس کا بھی حق ہے۔ اور کم از کم کچھ دیر کے لئے زمر ساری دنیا سے کٹ کر' صرف اس کی باتیں سنے' اس کو وقت دے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اس کا زندگی پہ کوئی حق نہیں تھا۔ اس کو صرف اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔ اپنے بھائی اور بیوی کا انتقام لینا تھا اور سعدی یوسف کو واپس اپنے خاندان تک پہنچانا تھا۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ وہ تو cursed تھا۔ اسے زمر کا فون نہیں آف کرنا چاہیے تھا۔

اب وہ پھر سے اپنے سنجیدہ اور سپاٹ خول میں سمٹ آیا تھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

''ہاں' فرمان' ٹھیک ہو؟ اچھا یہ بتاؤ' کل شام ہوٹل میں سب خیریت رہی؟''

''میں نے آپ کو کال کی تھی' نمبر بند تھا۔ خیریت تھی مگر ہاشم کا ردار کل ادھر آیا ہوا تھا۔ وہ اور اس کے آدمی پراہرا کے وقت پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا' مگر وہ کسی کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے۔''

''ٹھیک ہے' آنکھیں کھلی رکھو اور مجھے رپورٹ دیتے رہنا۔'' اس نے اسی اضطراب سے فون بند کیا۔ فرمان تھائی لینڈ میں سیٹل ہ نے کا خواہشمند ایک بری ہو جانے والا اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس نے اسے سری لنکا میں سیٹل ہونے کی پیشکش کی تھی۔ (احمر شفیع سے ہارو عبید تک سفارش کروانا' اپنا نام آئے بغیر اور احمر کو مشکوک کیے بغیر' بہت آسان تھا۔) اور بدلے میں ''رپورٹ'' مانگی تھی۔ اب وہ کچھ عر سے اسی ہوٹل میں کام کر رہا تھا۔ اس کی رسائی کچن کے نیچے بنی جیل تک تو نہ تھی' مگر جہاں تک اس کی آنکھیں جاتی تھیں' وہ غازی کو خبر دیا کرتا تھا۔

اب اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ ''عنایت تم ہسپتال میں نائٹ ڈیوٹی پہ تھے کل رات؟ او کے گڈ۔ تمہارے سامنے والی بلڈنگ میں رات کو یا صبح میں کوئی آیا ہے؟ اچھا... اگر کوئی حرکت نظر آئے' کوئی آمد رفت ہو تو مجھے خبر کرنا۔''

وہ ایک ایک کر کے ہاشم کاردار کی ملکی وغیر ملکی جیلوں کے قریب موجود اپنے دوستوں کو فون کر رہا تھا۔ وہ اس کی چاروں خفیہ جیلوں کے بارے میں جانتا تھا۔ اگر وہ دونوں مفرور قیدی ان جیلوں میں سے نہیں لائے گئے تھے تو یقیناً ہاشم ان کو ابھی تک نہیں پکڑ سکا تھا۔ لیکن اگر وہ آزاد تھے تو سعدی نے فون کیوں نہیں کیا تھا؟ زمر کے علاوہ کسی اور کو بھی تو فون کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً کسی مشکل میں تھا۔ آٹھ ماہ پہلے یوسف خاندان نے سعدی یوسف کو کھویا تھا' مگر فارس غازی نے اسے کل رات کھویا تھا۔

اور اب اس کو ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

مگر اس سے پہلے اسے ایک کام اور کرنا تھا۔

اپنے چہرے پہ پرانے برف تاثرات سجائے وہ کچھ ڈاکومنٹس لے کر' کسی سے بات کئے بنا وہ گھر سے باہر آ گیا۔ جب وہ کار کو اَن لاک کر رہا تھا تو زمر اس کے پیچھے باہر آئی۔

''کوئی مسئلہ ہے فارس؟ تم پریشان لگ رہے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ ڈونر کے ڈاکومنٹس لے کر...'' بدقت ذرا سا مسکرا کر فائل اوپر اٹھا کر دکھائی اور کار کے اندر بیٹھا۔ یہ وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے زمر کی ضرورت نہیں تو صرف وہی جائے گا۔ مگر اتنی جلدی کیا تھی اسے؟ اسے کار باہر نکالتے دیکھ کر زمر نے سوچا۔ مگر خیر.. اسے فارس پہ بھروسہ تھا۔ وہ سنبھال لے گا۔

.....❖❖❖.....

اس لمحہ خیر و شر میں کہیں اک ساعت ایسی ہے ..... جس میں ہر بات گناہ نہیں ہوتی' سب کارِ ثواب نہیں ہوتا

ڈاکٹر قاسم نے اپنی کرسی سے اٹھ کر خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ جینز پہ بھورا سوئیٹر پہنے' چہرے پہ سنجیدہ اور برف تاثرات سجائے' وہ سنہری گہری آنکھوں کو ڈاکٹر قاسم پہ نظریں جمائے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ سے بالآخر ملاقات ہو رہی ہے۔ بہت سنا تھا آپ کے بارے میں۔'' وہ خوش دلی سے بولے تھے۔ اس کے لئے کافی آرڈر کرنی چاہی مگر اس نے انکار کر دیا۔

''جو بھی بری باتیں سنی ہیں آپ نے' وہ سب درست ہیں۔'' وہ سر کو خم دے کر بولا تھا۔

''نہیں' اچھی بھی سنی ہیں۔ خیر۔'' وہ جلد مدعے پہ آ گئے۔ ''زمر اپنے بارے میں بہت لاپرواہی برتتی ہیں۔ انہیں بہت پہلے ٹرانسپلانٹ کروا لینا چاہیے تھا۔ خیر وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کے پاس کسی ڈونر کی رپورٹس ہیں' کہاں سے کروائے ہیں ٹیسٹس؟'' عینک لگاتے ہوئے انہوں نے رپورٹس کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر فارس نے کاغذان کی طرف نہیں بڑھائے۔

''میں اپنے تجربات خود کیا کرتا ہوں۔ کیا آپ کو گرمی نہیں لگ رہی؟'' اٹھتے ہوئے وہ تعجب سے بولا اور کھڑکی کھول دی' پھر واپس آ کر بیٹھا۔ ڈاکٹر قاسم نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر عینک اتار کے رکھی۔

''تو کون ہے یہ ڈونر؟''

''کوئی ڈونر نہیں ہے۔ میں نے زمر سے جھوٹ بولا تھا کہ میرے پاس ڈونر ہے۔''

کمرے میں ایک ششدر سا سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ اسی بے مہری سے بولا۔

''میں نہیں چاہتا کہ وہ سرجری کروائے۔ آپ ڈاکٹر قاسم' اس کی سرجری نہیں کریں گے۔''

ڈاکٹر قاسم کے چہرے پہ بے پناہ شاک سا ابھرا۔ ''غازی صاحب' ان کی جان کو خطرہ ہے' انہوں نے سرجری نہ کروائی تو وہ جان سے جائیں گی۔'' ان کو بے حد افسوس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''آپ کی شرٹ بہت نفیس ہے۔''

ڈاکٹر قاسم نے اس کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو' پھر گردن جھکا کر اپنی شرٹ کو دیکھا تو لمحے بھر کو وہ برف کا مجسمہ بن گئے۔ ان کی شرٹ پہ...عین دل کے مقام پہ...سرخ نقطہ تھا۔روشنی کا نقطہ۔سرخ لیزر جو کھڑکی سے ہوتا ہوا' ان کے دل پہ نشانہ لئے ہوئے تھا۔

''اپنے دشمنوں کو جیل نہیں بھیجنا چاہیے' مار دینا چاہیے' کیونکہ جیل جانے کے بعد وہ خطرناک لوگوں سے دوستی کر لیتے ہیں' جیسا میہ ا یہ دوست جو برابر کی عمارت میں اسنائپر گن لئے بیٹھا ہے' اور اسکی گن کا نشانہ عین آپ کے اوپر ہے۔نہ...نہ...نہ...فون کی طرف ہاتھ مت بڑھانا' ورنہ وہ گولی چلا دے گا۔''

ڈاکٹر قاسم نے گردن اٹھا کر بے یقینی سے اس کو دیکھا۔وہ ٹیک لگا کر بیٹھا' پرسکون سا بولے جا رہا تھا۔ساتھ ہی منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

''اس فریم کو دیکھیں۔'' اس کے اشارے پہ ڈاکٹر قاسم نے نظر اٹھا کر دیوار پہ لگے فریم کو دیکھا جس میں ان کا کوئی سرٹیفکیٹ آویزاں تھا۔

ایک سرخ لیزر اسپاٹ وہاں بھی نظر آ رہا تھا' اگلے ہی لمحے بنا آواز کے ایک گولی فضا کو چیرتی ہوئی آئی اور اسی نقطے کی جگہ پہ آ پیوست ہوئی۔فریم کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ڈاکٹر قاسم کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

''یہ کیا مذاق ہے فارس غازی؟''

''اوہ سوری' یہ ریہرسل تھی۔اگر تم ہلے تو وہ اگلی گولی تمہارے اوپر چلائے گا' اس لئے میں نے کھڑکی کھول دی' تاکہ اگر وہ تمہیں مارے تو کم از کم یہ معصوم شیشہ نہ ٹوٹے۔خیر' ہم زمر کی بات کر رہے تھے۔'' ذرا مسکرا کر ان کے چہرے پہ اپنی پرتپش نظریں جمائے وہ چبا چبا کر کہنے لگا۔'' کتنے پیسے دیے کاردارز نے میری بیوی کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ مرنے والی ہے؟ اس کا گردہ ضائع ہو چکا ہے۔وغیرہ وغیرہ ؟''

''دیکھو' مجھے نہیں پتہ تم کس ڈاکٹر کے پاس گئے ہو' مگر...'' وہ محتاط انداز میں بولنے لگے تھے مگر وہ ایک دم آگے کو جھکا اور زور سے ہاتھ مار کر میز کی ساری چیزیں پرے دھکیل دیں۔سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔

''انسان ایک شخص پہ کبھی شک نہیں کرتا' اور وہ ہوتا ہے اس کا ڈاکٹر!'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' جھک کر غصے سے وہ غرایا تھا۔''تم نے اتنے ماہ میری بیوی کو ٹارچر کیا' اس کو پل پل مارتے رہے' صرف اسلئے کہ تمہارے بیٹے کی پوری فیملی کو انہوں نے باہر سیٹل کرا دیا؟ تمہاری بیٹی کا پارٹ ٹو ایگزام کلیئر کروا دیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے' عین میری گرفتاری سے کچھ روز پہلے تم اس کو اچانک سے بلا کر اچانک سے چند ٹیسٹ کروائے گے کہ اس کا کڈنی فیل ہو چکا ہے' اور پھر میرے کیس کے دوران وہ مجھ سے کہے گی کہ اسے میرے کیس اور اپنے ڈونر کے درمیان کسی کو چننا ہے اور میں اتنا گدھا ہوں جو یہ نہیں سمجھوں گا کہ یہ سارا ڈراما تم لوگ مجھے جیل میں رکھنے کے لئے رچا رہے ہو تاکہ وہ میرا کیس نہ لڑے؟'' ساتھ ہی زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

ڈاکٹر قاسم نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ان کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں تھیں اور وہ بار بار اضطراب سے سر جھٹکتے تھے۔

''ایک منٹ بھی نہیں لگا مجھے سمجھنے میں کہ اس کے ڈاکٹر کو کاردارز خرید چکے ہیں' آخر چار سال سے وہی اس کے میڈیکل بلز پے کرتے ہیں نا' ان کی کمپنی کا تو بالواسطہ رابطہ رہتا ہے تمہارے ساتھ۔'' واپس کرسی پہ بیٹھا' ٹیک لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پھر اسی برہم انداز

میں بولا۔ ''میرے دوست کی گن تمہارے اوپر تنی ہے۔ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ سچ سچ بتاؤ۔ کاردارز نے کیا کرنے کے لئے کہا تھا تم سے؟''

ڈاکٹر قاسم نے چند گہرے سانس لئے۔ روشنی کا سرخ دھبہ ابھی تک شرٹ پہ پڑا ہوا تھا۔ بدقت وہ کہنے لگے۔

''مسز کاردار نے کہا تھا کہ میں اس کی دوا بدل دوں' کسی طرح اس کا اورگن ضائع ہو جائے' اور اس کو دوبارہ سرجری کروانی پڑے گی 'اس سب میں لگ کر وہ تمہارے کیس کو وقت نہیں دے پائے گی اور وہ اپنی مرضی کے وکیل کو تمہارے ساتھ جوڑ دیں گے۔ مگر میں نے... دیکھو ...میں برا آدمی نہیں ہوں... میں نے ایسا نہیں کیا۔''

''مجھے پتہ ہے تم نے ایسا نہیں کیا۔'' وہ درشتی سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''حالانکہ دوسرے ڈاکٹرز نے بھی اسے یہی کہا کہ گردہ ضائع ہو گیا ہے' مگر چونکہ وہ جن پہ اعتبار کرتی ہے' ان پہ مکمل اعتبار کرتی ہے' سو یقیناً وہ صرف انہی ڈاکٹرز کے پاس گئی ہو گی جن کے پاس تم نے اسے بھیجا ہو گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ اس کا گردہ ضائع نہیں ہوا؟''

''کیونکہ جس ڈونر کو میں جانتا ہوں... اس کا اورگن کبھی ریجیکٹ نہیں ہو سکتا۔ اسے زمر بہت عزیز تھی' اس کی قربانی ایسے ضائع نہیں ہو سکتی۔''

ڈاکٹر قاسم نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر کو خم دیا۔ ''سعدی یوسف۔ آف کورس۔ اس کا گردہ ٹھیک ہے۔ وہ پرفیکٹ میچ تھا۔ وہ چند سال اور چل جائے گا اچھے سے۔''

''اور یقیناً تم نے زمر کی دوا بھی بدلی ہے' کیونکہ وہ زرد اور بیمار لگنے لگی ہے۔''

''مجھے چند فیک symptoms ڈالنے تھے' تا کہ اسے محسوس ہو کہ وہ بیمار ہے۔ دیکھو مجھے اپنی پیشنٹ بہت عزیز ہے۔ میں نے بہت دقتوں سے مسز کاردار کو ٹالے رکھا ہے۔''

''ظاہر ہے' تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں تمہارے وہ کروڑوں روپے کیسے ملتے؟ تمہیں اپنی نظر میں اچھا بھی تو بننا تھا اس لئے تم نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا۔''

''آئی ایم سوری۔ پلیز اس گن کو میرے اوپر سے ہٹاؤ۔ میں... زمر سے معافی مانگ لوں گا' میں اسے سب سچ بتا دوں گا۔''

فارس نے کھڑکی کی طرف رخ کر کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے سرخ لیزر لائٹ ڈاکٹر قاسم کی شرٹ سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ ٹشو نکال کر ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔

''تم زمر کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں۔ صرف اتنا کہو گے کہ تم کوئی نئی دوا استعمال کرنا چاہتے ہو جس سے شاید اس کا تقریباً ناکارہ گردہ کام کرنے لگے۔ کوئی بھی وجہ گھڑ لینا۔ تم ان کاموں میں ماہر ہو۔'' ڈاکٹر قاسم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''مجھے اسے بتانا ہے۔ اب میں اس سے مزید نہیں چھپا سکتا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ زمر کو نقصان سے بچایا ہے۔...''

''نہیں' تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے۔ جس چیز کا میں انتظار کر رہا ہوں' اس میں ابھی ذرا وقت ہے' تب تک زمر کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔''

''فارس غازی' تم مجھے قتل نہیں کرنے والے' بھلے تم مجھے اپنے اسنائپرز سے کتنا ہی ڈرا لو۔'' وہ بھی تندہی سے کہتے آگے کو جھکے۔ ''تم مجھے اب اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔'' لیزر لائٹ ہٹ چکی تھی اور ان کا کھویا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

فارس نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو خم دیا اور فائل کھولی۔ ایک کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

''مجھے تمہیں اپنے اشاروں پہ چلانے کے لیے اسنائپر گن کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ یہ دیکھو۔ یہ پچھلے ماہ کا ریکارڈ ہے۔ تم نے ایک افغان نوجوان کا علاج کیا تھا جس کا نام ابوفرید حسان تھا۔'' ڈاکٹر قاسم نے عینک لگاتے ہوئے اچنبھے سے اس لسٹ کو دیکھا۔

''ہاں' میں نے کیا تھا۔ وہ روٹین چیک اپ کے لئے آیا تھا۔''

''اور یہ تمہاری چند تصاویر ہیں' اس مریض کے ساتھ۔'' اس نے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کر ڈاکٹر کے سامنے رکھے۔ وہ ان میں اس مریض کا معائنہ کرتے نظر آ رہے تھے۔ مریض کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ لمبی داڑھی' سر پہ ٹوپی' اور چہرہ ذرا جلا ہوا۔ ہاتھ پہ بھی جلنے کا نشان تھا۔

''ہاں' تو؟''

''تو یہ کہ یہ افغان باشندہ اب تک طورخم کا بارڈر کراس کر کے واپس جا چکا ہے۔ اور اس کا نام ابوفرید نہیں ہے۔ یہ ایک اداکار ہے' میں نے اس کو یہ حلیہ اپنانے کے لئے کہا تھا تاکہ یہ سائیڈ پوز سے لی گئی تصاویر میں ابوفرید کی طرح لگے۔ یہ ہے اصلی فرید۔'' اس نے ایک اور تصویر نکال کر ڈاکٹر کے سامنے ڈالی۔ وہ ایک ذرا جلے ہوئے چہرے والے نوجوان کی تھی۔

''تو پھر؟''

''پھر یہ ڈاکٹر قاسم کہ ابوفرید حسان ایک افغانی باشندہ ہے اور یونیورسٹی حملے میں حکومت کو مطلوب ہے۔ دہشت گرد ہے وہ۔ وہ تمہارے پاس کبھی نہیں آیا' لیکن اگر کوئی تمہارے ریکارڈ کی یہ لسٹ دیکھے'' فہرست لہرائی۔ ''اور یہ تصاویر دیکھے' فوٹو سامنے کیا۔ ''تو اسے لگے گا کہ تم نے ایک افغان عسکریت پسند کا علاج کیا ہے۔''

''ایک منٹ... میں نے کسی دہشت کا علاج نہیں کیا۔'' ڈاکٹر قاسم کا سر گھومنے لگا۔

''تم یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر میں ایپکس کمیٹی کے کسی رکن یا کسی جرنیل کو یہ تصاویر اور یہ ریکارڈ بھیج دوں تو تم دہشت گردوں کے سہولت کار ثابت ہو جاؤ گے' دو گھنٹے کے اندر وہ تمہیں گھر سے اٹھائیں گے' اور فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر تین ماہ میں پھانسی چڑھا دیں گے۔ تم سابق صدر کے بی ایف ایف (بہترین دوست) تو ہو نہیں کہ تمہیں کوئی رعایت ملے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے' تم زمر کو حقیقت بتانا چاہتے ہو؟''

ڈاکٹر قاسم نے بے اختیار سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور بس بے بسی سے اس کو دیکھے گئے۔۔ فارس غازی کی سرد نظریں اب بھی ان پہ جمی تھیں۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی گئی۔

''نہ کردار زکو بتاؤں گا' نہ زمر کو۔ میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔ لیکن... اس سے پہلے... میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات کا یقین کرو' کیونکہ جب میں کہتا ہوں کہ میں نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا کبھی تو میں غلط نہیں کہہ رہا۔ فارس غازی۔ میں۔ برا آدمی۔ نہیں ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ کہہ رہے تھے۔

''شاید!'' فارس آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا... بہت آہستہ سے... ایک دم سے آسمان پہ کوئی تارا ٹوٹا تھا۔ یا شاید وہ چاند تھا۔ بہت سے چکر الٹے ہوئے تھے۔ مدار بدلے تھے۔

جب وہ کار میں آ کر بیٹھا تو اگنیشن میں چابی گھمانے میں اسے کافی دیر لگی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر... سوئیٹر کی آستین پہ تازہ خون کے چند دھبے لگے تھے۔ لمحے بھر کے لیے اس نے سوچا کہ زمر کو بتا دے' مگر نہیں۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ ابھی نہیں۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے خود کو ٹھنڈا کرنا چاہا' پھر کار چلا دی۔

سڑک پہ نگاہیں مرکوز کئے' ہر شے کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے پرائیوٹ نمبر سے آبدار کو کال ملاتے ہوئے کار سائیڈ پہ روکی۔

''ایک دن میں دوسری دفعہ فارس غازی کی کال۔ مانا کہ میں بہت اچھی ہوں اور کیوٹ بھی' مگر...''

''آپ کے پاس پرائیوٹ جیٹ ہے نا؟''

وہ چونکی تھی۔ ''ہمارے پاس دو پرائیوٹ جیٹس ہیں۔ مگر کیوں؟''

''گڈ۔ میرے پاس بلیو پاسپورٹ ہے۔ اور آپ کے پاس پرائیوٹ جیٹ۔ ایک سوال پوچھوں آپ سے؟'' وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔

''آپ میرے ساتھ کولمبو چلیں گی؟''

اور آبدار عبید کا سارا وجود لمحے میں برف کا ہوا' اور لمحے میں پگھل گیا۔ زندگی اسے اتنا خوبصورت سرپرائز دے گی' اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

.....❖❖❖.....

باب21:

کافر۔ماکر۔کاذب۔قاتل

(حصہ اوّل)

تمہیں جنگ میں کامیابی ملے گی
صرف مکاری سے!
سوتم خودکورکھنا ہوا کی مانند تیز...
اور جنگل کی مانند گھنا...
جھپٹنا آگ کی لپٹ کی طرح....
اور جم کر کھڑے ہونا پہاڑ کی طرح...
اپنے منصوبوں کو پراسرار رکھنا' رات کی طرح
اور جب چلوتو بجلی کی کڑک کی طرح گرنا
جب مضبوط ہوتو خودکو کمزور ظاہر کرنا
اور جب کمزور ہوتو خودکو مضبوط ظاہر کرنا۔
دشمن کولڑے بغیر چت کر دینا
ہی بہترین فتح ہے!
فتح یاب جنگجو پہلے جنگ کو جیت لیتے ہیں
اور پھراس جنگ کوشروع کرتے ہیں۔
شکست خوردہ لوگ پہلے جنگ شروع کرتے ہیں
اور پھراسے جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔
ساری جنگی حکمتِ عملی منحصر ہے
فریب کاری پہ
تب حملہ کرو جب لگے کہ نہیں کر سکتے

جب قوت استعمال کرر ہے ہوتو لگے کہ تم جامد بیٹھے ہو
جب قریب پہنچ چکوتو خود کو دور ظاہر کرو
اور جب دور ہو تم
تو یقین دلاؤ اسے کہ تم ہو بہت قریب!
اگر اس کی طاقت تم سے کہیں زیادہ ہے
تو اس سے اعراض برتو
اگر وہ غصیلا ہے تو اس کو چھیڑو
خود کو کمزور ظاہر کرو تا کہ وہ غرور میں بڑھتا جائے
اگر اس کی فوجیں متحد ہیں تو ان کو توڑو۔
اس پہ تب حملہ کرو جب وہ تیار نہ ہو
اور وہاں سے کرو جہاں
تمہارے ہونے کا اسے گماں تک نہ ہو
صرف وہ جیتے گا جنگ'
جو جانتا ہے کہ کب ہے لڑنا!
اور کب ہے نہیں لڑنا۔

Sun Tzu ┘ (The Art of War)

(دی آرٹ آف وار)

چند ساعتوں کے لیے ہم ماہِ کامل کی رات میں واپس جاتے ہیں۔

کرنل خاور کو بے ہوش کر کے' اس کے پیسے' اسلحہ اور پاسپورٹ چرا کر سعدی یوسف اب تیز تیز سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار احتیاط سے پیچھے مڑ کر دیکھتا۔ سوتے جاگتے' شہر میں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ذرا دور جا کر اس نے ایک ٹک ٹک رکشہ روکا' اور اس میں سوار ہو گیا۔ ''بلرز لین۔'' اس نے فوراً سے پتہ بتایا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ اسے پاکستانی سفارت خانے سے چند فرلانگ دور اتار گیا۔ وہ ٹک ٹک سے اترا' اور دور... کافی دور نظر آتی سفارت خانے کی عمارت کو دیکھا۔ سفید اونچے محل جیسی عمارت جس کے سامنے سرسبز لان بنا تھا۔ وہ اس اجنبی ملک میں پاکستان کی سرزمین کا واحد ٹکڑا تھی، جس پہ لنکن قانون نہیں چل سکتے تھے' وہ ایک دفعہ اس میں داخل ہو جائے تو لنکن پولیس اسے چھو بھی نہیں سکتی تھی۔

اسٹریٹ میں لوگ' ٹریفک' روشنیاں' سب جاگ رہے تھے۔ سعدی کی نگاہیں عمارت سے ہٹ کر سڑک پہ پھسلیں۔ کونے میں درخت کے ساتھ ایک سیاہ وین پارک تھی۔ پرلے کونے میں ایک آدمی کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا۔ وہ ہاشم کا آدمی تھا کیا؟ وہ سفارت خانے جائے گا' سب کو اندازہ تھا۔ اس کی تاک میں بیٹھے ہوں گے وہ لوگ۔ وہ ایک ایک چہرے کو دیکھتا۔ ہر شخص مشکوک تھا' ڈرا رہا تھا۔

اس سفارت خانے میں بھی لنکا ڈھانے کے بہت سے دیسی بھیدی ہوں گے ہی۔

سعدی واپس رکشے میں بیٹھا اور اسے چلنے کو کہا۔ بیگ سینے سے لگائے' اب وہ سمٹ کر بیٹھا تھا محتاط۔ قدرے ڈرا ہوا۔ اب وہ کیا کرے گا؟ کچھ علم نہیں تھا۔ خاور کو گرانا تو پلان کیا تھا' مگر اس سے آگے نہیں۔

ٹک ٹک نے اسے ایک ہوٹل کے کنارے اتارا۔وہ چند منٹ ادھر کھڑا رہا۔(کیا ان کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کسی ہوٹل جائے گا؟)وہ مڑ گیا اور اسٹریٹ میں آگے چلتا گیا' چلتا گیا یہاں تک کہ ٹانگیں تھک گئیں اور تنفس تیز چڑھ گیا تو وہ رکا۔یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے سمندر کی لہروں کا شور سنائی دیتا تھا۔سمندر...جو انسان کے دل جیسا ہوتا ہے' کبھی پرسکون' کبھی اضطراب سے ٹھاٹھیں مارتا...ہر پل بدلتا...

وہ مین روڈ سے اتر کر ساحل تک آ گیا۔ساحل کا یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔اوپر پورا چاند خاموشی سے بادلوں کے بیچ نیم دراز' گویا ٹیک لگا کر بیٹھا' نیچے بہتے سمندر کو کھینچ رہا تھا۔ٹھاٹھیں مارتا شور...چیختی چنگھاڑتیں' کئی کئی فٹ بلند ہوتیں لہریں' اور پھر واپس پسپا ہوتا پانی...

وہ ایک طرف آ گیا جہاں چٹانیں اور پتھر سے پڑے تھے۔بیگ اتار کر نیچے رکھا' اور ٹیک لگا کر وہیں بیٹھ گیا۔ٹھنڈ بھی تھی' اوپر سے پورا جسم نمی کا شکار ہونے لگا تھا۔اس نے سر پتھر سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔اور نیند تو سولی پہ بھی آ ہی جاتی ہے' وہ سولی سے گزر کر آیا تھا' سو دھیرے دھیرے اس کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ذہن نیند میں ڈوبتا گیا۔

اس کی آنکھ جانے کس آواز سے کھلی تھی۔ایک دم وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔بیگ کو دیکھا۔سب ٹھیک تھا۔مگر...اس نے چہرہ اٹھایا...ایک چیز غلط تھی۔

سورج نکل آیا تھا۔

سامنے افق پہ سنہری تھال اتنا چمکیلا' آگ برسا رہا تھا' کہ سعدی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔اس نے فوراً چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔صبح روشن تھی اور ٹریفک پیچھے سڑک پہ رواں دواں تھی۔رش' لوگ' آوازیں۔اس نے ہر چیز کے لئے خود کو تیار کیا تھا۔سوائے ایک کے۔

سورج! جو اس نے آٹھ ماہ سے نہیں دیکھا تھا۔21 مئی سے 21 جنوری...پورے آٹھ ماہ۔

سعدی بدحواسی سے اٹھا' بیگ اٹھایا اور سڑک کی طرف بھاگا۔سورج اس کی پشت پہ آگ برسا رہا تھا' گویا پیچھا کر رہا ہو اور وہ خوفزدہ سا آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ہاتھ پیر عجیب سی سنسنی کا شکار تھے۔سردی میں بھی پسینے آ رہے تھے۔وہ رکا نہیں۔ہر طرف روشنی تھی۔تیز روشنی۔یوں جیسے ساری دنیا کے پردے ہٹ گئے ہوں گے۔عیاں ہو گیا ہو سب۔وہ دوڑتا گیا۔سڑک کنارے...گلیوں میں...وہ تیز تیز بھاگتا گیا۔

اس سارے میں ایک بھی جگہ نہیں نظر آئی جہاں وہ رک سکے۔جہاں وہ رکنے کا سوچے ہی۔چوکنی مگر' خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر چلتا وہ ایک جگہ بالآخر رک گیا۔

یہ ایک پرانا کارخانہ تھا جو بند پڑا تھا۔اس کھنڈر کو نشئی لوگ اپنے قیام کے لئے استعمال کرتے تھے۔وہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور آگے بڑھتا گیا۔یہاں تک کہ ایک بالکل اندرونی کمرے میں آ رکا...جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچتی تھی۔گندا' میلا' کاٹھ کباڑ سے بھرا کمرہ...کچھ بھی برا نہیں لگا اسے۔بس ہانپتا ہوا وہ جلدی سے نیچے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔بالکل سکڑ سمٹ کر' خوفزدہ نگاہیں دروازے پہ جمائے۔۔خاور کی پستول ہاتھ میں رکھ لی۔کوئی آئے اور وہ اسے چلا دے۔

سعدی اگلے کئی گھنٹے اسی طرح بیٹھا رہا۔جسم اکڑ گیا۔پستول اب بھی ہاتھ میں تھی۔چہرے پہ پسینہ تھا۔ہر آہٹ پہ وہ چونک کر سیدھا ہوتا۔پستول تان لیتا۔مگر وہ ہوا کا کوئی کھٹکا ہوتا' یا نیچے بیٹھے نشئیوں کی آوازیں۔کولمبو بالکل کراچی جیسا تھا۔وہی ماحول' وہی آدھے صاف ستھرے پوش علاقے اور باقی اس کے برعکس۔

.....❖❖❖.....

اپنی تعمیر اٹھاتے تو کوئی بات بھی تھی ..... تم نے اِک عمر گنوا دی میری مسماری میں

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا دروازہ کھلا تھا۔اندر اٹھا پٹخ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔فارس نے کار سے نکلتے ہوئے سیل فون کو کان سے لگایا اور آستین کا خون آلود حصہ اندر کو موڑ لیا۔آنکھیں چندھیا کر دور سنہرے آسمان پہ جمائے' وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری

طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔

''ہاں فارس...'' ہاشم کا مصروف سا لہجہ سنائی دیا۔

''آفس میں ہو؟ آجاؤں؟'' کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے سادگی سے پوچھا۔

''میں کولمبو میں ہوں۔کہو' کیا ہوا؟''

''اوہ۔تم سے کام تھا۔خیر تم آؤ تو بات کرتے ہیں۔'' وہ گویا فون رکھنے لگا۔

''میرے آئے بغیر' میری ایک کال پہ بھی یہاں سو کام ہو جاتے ہیں۔تم بولو۔'' ہاشم محتاط انداز میں غور سے سن رہا تھا۔اپنے سوئیٹ کے صوفے پہ بیٹھا' گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ پوری طرح تیار تھا۔اگر سعدی یوسف نے اسے فون کیا ہو تو....؟

''تم نے ایک دفعہ پیشکش کی تھی کہ اگر مجھے نوکری چاہیے تو تم سے...''

''تم میرے پاس کام کرنا چاہتے ہو؟''

''نہیں' تمہارا زیادہ احسان نہیں لینا چاہتا۔'' اکھڑ انداز میں بولا۔''مگر کراچی میں جو تمہارا دوست ہے...ادریس الطاف....سنا ہے اس کو سیکیورٹی میں کسی آدمی کی ضرورت ہے۔اگر تم اس سے بات کرلو۔تو میں اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔''

''تم کراچی جانا چاہتے ہو جاب کے لئے؟'' ہاشم کو اس کے لہجے میں کچھ بھی غیر معمولی نہ لگا تھا۔وہ عام انداز میں بات کر رہا تھا۔

''پھر اور کیا کروں؟''

''اچھا۔'' ہاشم نے سوچنے کے لیے وقفہ لیا۔

''اگر نہیں کر سکتے تو مجھے بتاؤ' میں تمہارا احسان نہ ہی لوں تو بہتر ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ہاشم نے گہری سانس لی۔

''فارس...ابھی ایسا کوئی کام نہیں بنا جو میں نہ کر سکوں۔تم سمجھو کام ہو گیا۔'' ذرا ٹھہرا' اور مسکرایا۔''مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے کام کہا...۔''

''مجھے خوشی نہیں ہوئی۔مجبوری نہ ہوتی تو نہ کہتا۔میری بیوی کا...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ہاشم نے ابرو اٹھایا۔

''کیا اس کی صحت کو کوئی مسئلہ ہے؟ تم بے فکر رہو' ہماری کمپنی اس کے بلز پے کرتی رہے گی' ڈیڈ کی خواہش کے مطابق۔''

''وہ میری بیوی ہے ہاشم' اس کے بلز میں خود پے کرنا چاہتا ہوں۔تم ادریس الطاف سے بات کرو' میں کل سے ہی کام پہ لگنے کو تیار ہوں۔'' اس کے لہجے میں ہاشم کاردار نے بے چینی محسوس کی تھی۔وہ مطمئن ہو گیا تھا۔(وہ لوگ اپنے مسئلوں میں الجھے تھے۔شاید زمر کی صحت پھر سے خراب ہونے لگی تھی۔اسے افسوس ہوا مگر اب اس کے بلز تو دے رہا تھا وہ' اور کیا کرتا۔سعدی نے ان کو کال نہیں کی' اس کی تشفی ہو گئی تھی۔) فون رکھتے ہی اس نے ادریس کو کال ملائی۔علیک سلیک کے بعد وہ مدعے پہ آیا۔

''فارس غازی...میرا کزن ہے...وہ تمہارے پاس آئے گا' اور تم اس کو رکھ لو گے' چاہے تمہیں ضرورت ہو یا نہیں۔اور پھر تم اس پہ نظر رکھو گے۔وہ کیا کرتا ہے' کہاں جاتا ہے' کس سے ملتا ہے' پل پل کی رپورٹ چاہیے مجھے۔'' سخت لہجے میں وہ دوسری طرف کسی کو سمجھا رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

ایسا نہیں کہ ہم کو محبت نہیں ملی ..... ہم جیسی چاہتے تھے وہ قربت نہیں ملی

فون بند کر کے فارس گھر کے اندر داخل ہوا تو مصروفیت سی ہر سو بکھری تھی۔ندرت کچن سے آوازیں دے رہی تھیں' حنین لاؤنج کے شیلف جوڑ رہی تھی' زمر کونے میں کھڑی استری اسٹینڈ پہ کپڑے پریس کر رہی تھی۔(یقیناً پچھلی رات وہ دونوں کہاں رہے' وہ ان کو مطمئن کر چکی

تھی۔) فارس ذرا کھنکھارا۔ بڑے ابا نے اپنے دوائیوں کے باکس سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' عینک کے پیچھے سے' غور سے۔ وہ سامنے صوفے پہ آ بیٹھا۔ باری باری سب کو دیکھا۔ زمر نے صرف اسے دیکھ کر ابرو اٹھائی (ڈاکٹر سے مل آئے؟) فارس نے سر کو خم دے کر اشارہ کیا۔ (ہاں' سب ٹھیک ہے۔) پھر کچن سے آتی ندرت کی طرف متوجہ ہوا۔ ''مجھے جاب مل گئی ہے۔'' سب رک کر اسے دیکھنے لگے، ندرت کے چہرے پہ خوشی اتری۔ اس کے قریب آ کر بیٹھیں۔ ''اللہ کا شکر ہے۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کہاں ملی ہے؟''

''کراچی۔ مجھے کل سے جوائن کرنا ہے۔''

زمر کے ہاتھ پہ استری لگی تھی۔ سس۔ اس نے جلنے والی جگہ لبوں میں دبا لی۔ ندرت کی رنگت پھیکی پڑی۔ حنین بھی فوراً اس طرف گھومی۔

''آپ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے ماموں؟' بھنویں اکٹھی کر کے بولتی' وہ پریشان اور خفا دونوں تھی۔

''تھوڑے عرصے کی بات ہے' پھر کوشش کروں گا ادھر ہی پوسٹنگ کروالوں۔''

''فارس اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟'' ندرت اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پریشان سی کہنے لگیں۔

''تو کیا ہو گیا ندرت؟ لوگ نوکری کے لئے دوسرے ملکوں میں بھی جاتے ہیں۔ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس میں۔ اس کو یوں فکر مند نہ کرو۔ سکون سے جاب پہ جانے دو۔ اور خبردار جو تم نے یہاں رونا ڈالا۔'' بڑے ابا نے آخری فقرہ حنہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ حنین نے پہلے فارس کو دیکھا جو خاموشی سے گردن اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا' پھر زمر کو جو سر جھکائے بہت سست روی سے کپڑے استری کر رہی تھی' اور پھر پیر پٹخ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یقین تھا فارس اس کے پیچھے آئے گا' اسے منائے گا' مگر وہ نہیں آیا۔

حنین اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگی' زمین پہ بیٹھی' خاموشی سے سر گھٹنوں میں دیے رونے لگ گئی۔ وہ انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے' اسے پتہ تھا... پہلے ابو' پھر وارث' پھر سعدی' ان کے سارے مردان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

دوپہر کے کھانے کے بعد جب زمر اپنے کمرے میں داخل ہوئی وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔ ایک چھوٹا بیگ بیڈ پہ کھلا پڑا تھا اور وہ سر جھکائے کھڑا' اس میں سامان رکھ رہا تھا۔ زمر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھے... بس دیکھے گئی۔

''یہ اچانک سے جاب کس نے لگوا کر دی؟'' وہ مشکوک تھی۔ (ذہن میں ہارون عبید کا نام گردش کر رہا تھا۔)

''ہاشم نے۔'' سنجیدگی سے کہتے اس نے زپ بند کی۔ زمر کا منہ کھل گیا۔

''ہاشم؟ تم ہاشم کے کہنے پہ شہر چھوڑ رہے ہو' ہم سب کو چھوڑ رہے ہو؟ تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتے ہو؟'' فارس نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاشم میرا کزن ہے۔'' پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ ''کیوں؟ کیا اس کے بارے میں کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتا؟''

زمر نے کندھے جھٹکے۔ ''مجھے کیا پتہ۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کل تک تمہارا ناپسندیدہ کزن آج تمہارا بی ایف کیسے بن گیا۔ خیر' تمہاری مرضی جو بھی کرو۔'' وہ آنکھوں میں ڈھیروں خفگی لئے' ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر مڑی۔ تبھی سنگھار میز پہ رکھا فارس کا موبائل بجنے لگا۔ زمر قریب کھڑی تھی۔ گردن جھکا کر دیکھا۔ آبدار کالنگ۔ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''صرف آبدار؟ تو اب تم اس کے ساتھ فرسٹ نیم ٹرمز پہ ہو۔'' مڑ کر ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ وہ خاموشی سے آگے آیا اور فون اٹھا کر اسے سائیلینٹ کر کے جیب میں ڈال لیا۔

''میں چلی جاتی ہوں کمرے سے' تم تسلی سے اس سے بات کر لو۔''

''وہ تو میں تمہارے جانے کے بعد ویسے بھی کر لوں گا۔'' وہ اس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

''ظاہر ہے' جیل میں یہ سب تو سیکھا ہوگا تم نے۔'' وہ جبراً مسکرا کر بولی تھی۔

فارس نے ذرا سا اس کی طرف جھک کر' مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔''تم جل رہی ہو اس سے؟''

''میں؟'' زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔''اور اس پلاسٹک کی گڑیا سے جلوں گی؟ ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔''جلنے کے لئے سامنے والا آپ سے بہتر نہ ہو تو کم از کم آپ کے مقابلے کا تو ہونا چاہیے۔''

''خوبصورت تو خیر وہ بہت ہے۔ اور اس کی سب سے اچھی بات پتہ ہے کیا ہے۔'' اس کے مزید قریب جھک کر سادگی سے بولا۔ ''اس کے بالوں کا رنگ نیچرل سرخ ہے۔ وہ خوبصورت لگنے کے لیے مصنوعی ڈائی نہیں لگاتی۔''

زمر نے بمشکل اپنے بھڑکتے جذبات پہ قابو پایا تھا۔''تو تم سارا وقت فون پہ اس سے اس کے بالوں کا رنگ ڈسکس کرتے ہو؟''

''نہیں' اور بھی بہت کچھ کرتا ہوں۔ کام کی ساری باتیں۔ اس نے بہت کچھ کیا ہے میرے لیے۔ ایکچوئلی مجھے وہ اپنی ورک وائف لگتی ہے۔''

اس سے زیادہ زمر یوسف اس آدمی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے پرے دھکیلا اور خود دروازے کی طرف بڑھی۔

''اچھا سوری' میں مذاق کر رہا تھا' بات تو سنو۔'' فارس نے اسے روکنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا مگر زمر نے تیزی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔

''تم نا مجھ سے دور ہی رہو ورنہ.....'' اگلے ہی پل وہ منجمند ہو گئی۔ فارس نے جس ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ رکھی تھی' اس کی آستین پہ خون کے دھبے لگے نظر آ رہے تھے۔

''یہ خون کیسا ہے؟'' اس نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے لگا تھا' نظریں اپنی آستین تک گئیں' چہرے کی رنگت بدلی' فوراً سے اس کی کلائی چھوڑ کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''یہ... شاید کان سے آ رہا تھا۔'' اس نے ساتھ ہی دو انگلیاں کان کے پیچھے لگا کر دیکھیں۔

''کیوں؟'' اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔''ٹھہرو مجھے دیکھنے دو۔''

''اب ٹھیک ہے۔ شاید کوئی زخم وغیرہ تھا۔'' مگر وہ آگے آنے لگی تو وہ بولا۔''فکر مت کرو' آبدار ایک بہت اچھے ای این ٹی اسپیشلسٹ کو جانتی ہے' میں اسے دکھا دوں گا'' اور وہ جو فکرمندی سے آگے کو ہوئی تھی' اس نام پہ رکی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

''ہاں' اسے ہی دکھاؤ۔'' اور برے موڈ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

فارس نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے طویل سانس لی' اور پھر سویٹر کی آستین دوبارہ سے موڑ لی اور بیڈ کے کنارے آ بیٹھا۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے' اس نے بند آنکھوں کو مسلا۔

زمر اور حنین.... دونوں اسے بہت عزیز تھیں۔ وہ ان دونوں کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر' حقیقت کے تیز چمکتے سورج میں کھڑے ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ بس کچھ دن اور....

''اسٹپنی.... آج مل سکتے ہو؟'' چند منٹ بعد وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔

احمر شفیع نے فارس کا فون رکھا اور نظر اٹھا کر سامنے نصب اسکرینز کو دیکھا جن پہ ایک آفس کی مختلف فوٹیجز چل رہی تھیں۔ احمر اس وقت کنٹرول روم میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ بس یک ٹک' پتھریلی آنکھوں سے ان فوٹیجز کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں وہ فون کال گونج رہی تھی۔ جو چند گھنٹے پہلے اسے موصول ہوئی تھی۔

''احمر شفیع...'' وہ عورت کہہ رہی تھی جو سفید شال میں نیوائیر پارٹی میں اسے نظر آئی تھی اور جو چترال کے ایک با اثر سیاسی خاندان

سے تعلق رکھتی تھی۔ ''آج صبح جب میرے آفس کی فوٹیجز لیک ہوئیں تو میرے سیکیورٹی اسٹاف نے فوراً سے بھاگ دوڑ شروع کر دی کہ معلوم کریں' کس آئی پی ایڈریس' کس سرور' کس جگہ سے ان کو لیک کیا گیا ہے۔ بیک ٹریسنگ' اور پتہ نہیں کس کس کام میں لگے ہیں وہ' لیکن میں نے صرف ایک بات سوچی۔ کہ اس سب کا فائدہ کس کو ہوگا؟ اگر اس بات کا جواب ہو تو انسان کو کسی سراغرسانی کی ضرورت نہیں رہتی۔''

ذرا توقف کر کے وہ بولی۔ ''سانپ کو مارتے وقت اس کا سر کچلا جاتا ہے کیونکہ قدیم داستانوں میں آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں اپنے قاتل کی تصویر عکس بند ہو جاتی ہے۔ اور میری آنکھوں میں احمر شفیع تمہاری اور تمہاری مالکن کی تصویر نقش ہو گئی ہے۔''

احمر نے ریموٹ اٹھا کر اسکرینز کو آف کیا' اور موبائل اور چابی اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اس کا ذہن اس وقت شدید دباؤ کا شکار تھا۔

.....❖❖❖.....

منتظر میرے زوال کے ہیں ..... میرے اپنے بھی کیا کمال کے ہیں

کولمبو کے اس پر تعیش ہوٹل کے تہہ خانے میں اس وقت شدید تناؤ چھایا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ' اسٹرائپس والی ٹائی' ڈائمنڈ کف لنکس پہنے' بال جیل سے پیچھے کو جمائے' وہ اپنی ساری شان و شوکت اور جاہ جمال سے وہاں بیٹھا تھا' گویا پچھلی رات اس کے قیدیوں کا نکل جانا اس کے لئے پریشانی کا باعث تھا ہی نہیں۔

سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ فصیح بھی پہنچ چکا تھا اور سخت مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ ہیڈ شیف تحل سے بتا رہا تھا کہ فراریوں نے آرڈر پہ تیار کیا کیک کیسے فریج سے غائب کیا' اور یہ کہ ان کے ساتھ یقیناً اندر سے کوئی ملا ہوا تھا۔ ہیڈ شیف' فصیح' رئیس' سب اپنی اپنی تھیوریز پیش کر رہے تھے۔ بار بار خاموش ہو کر ہاشم کو دیکھتے۔

''سر؟'' فصیح سے مزید برداشت نہیں ہوا تو پکار بیٹھا۔ ہاشم چند منٹ مزید بٹن دباتا رہا' پھر بالآخر سر اٹھایا اور مسکرا کر ان سب کو دیکھا۔

''Sun Tzu قدیم چین کا ایک جرنیل' اور فلسفی تھا۔ اس نے ایک مشہورِ زمانہ کتاب لکھی تھی۔ دی آرٹ آف وار (جنگ لڑنے کا فن)۔'' موبائل میز پہ ڈال کر وہ مسکرا کر گویا ہوا۔ ''اس کتاب میں جب وہ یہ بات کہتا ہے کہ جنگ کے دو طریقے ہیں' ڈائریکٹ اور اِن ڈائریکٹ لیکن ان دونوں کا ''ملاپ'' بہترین نتائج سامنے لاتا ہے تو ساتھ وہ مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ...'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے کھڑے افراد کی کمریں اور گردنیں مزید سیدھے ہوئیں۔

''کہ میوزیکل نوٹس پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے لیکن ان کا ملاپ لامحدود دھنیں بنا دیتا ہے۔'' قطار میں کھڑے افراد کے ساتھ سے گزرتا ہوا' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا' وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ کہتا ہے کہ پرائمری کلرز پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے .....نیلا .....سرخ.....زرد.....سفید اور سیاہ.....لیکن ان کا کمبی نیشن لامحدود رنگ بنا سکتا ہے۔'' سب توجہ سے اسے سنے گئے۔ کمرے میں غیر معمول سناٹا تھا۔

''اور وہ کہتا ہے کہ بنیادی ذائقے پانچ سے زیادہ نہیں ہیں' کھٹا' تیکھا' نمکین' میٹھا' اور کڑوا۔ مگر ان کا ملاپ لامحدود ذائقے بنا دیتا ہے۔'' ہاشم نے رک کر گہری سانس لی۔

''ہر چیز بہت پرفیکٹ تھی۔ منصوبہ بندی۔ اس پہ عمل پیرا ہونے کا انداز۔ سب شاندار تھا۔ میں متاثر ہوا ہوں۔ لیکن...'' سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے وہ چند قدم مزید آگے آیا۔ سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

''لیکن ان پانچ ذائقوں میں سے ایک ایسا بھی ہے جو میری بیٹی کو نہیں پسند۔ nuts کا نمکین ذائقہ۔ اس ہوٹل میں جب بھی یہ کیک بنایا جاتا ہے...وہ بلیو بیری کیک جو سعدی کل میری بیٹی کے لیے لایا تھا...اس میں ہیڈ شیف nuts ڈالتا ہے' لیکن پچھلے سال جب سونی

نے یہ کیک چکھا تھا تو nuts کے ذائقے پہ اس نے برا منہ بنایا تھا۔اور اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ یہ کیک جو کسی مہمان کے آرڈر پہ تیار کیا گیا تھا' اور جو بظاہر سعدی اور خاور نے چوری کیا تھا' اس کیک میں...''.وہ ہیڈ شیف کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔''اس کیک میں nuts نہیں تھے۔''

شیف کا رنگ سفید پڑا۔ادھر کمرے میں سب چونکے تھے۔دوسرے ہی لمحے فصیح اس پہ جھپٹا اور اسے نیچے گرایا۔دو گارڈز بھی اس پہ پل پڑے اور چند ہی لمحوں میں وہ اسکے ہاتھ پیچھے کو باندھ کر اسے قابو کر چکے تھے۔وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔

''سر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں....''

''اونہوں!'' ہاشم نے اسی پرسکون چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا اور ایک پنجے کے بل زمین پہ بیٹھا۔''جانتے ہو مسئلہ کیا ہے؟ میرے اور تمہارے جیسے لوگ دوسروں کے ساتھ مخلص ہوں یا نہ ہوں' ہم اپنے کام کے ساتھ بے حد مخلص ہوتے ہیں۔اس کو پرفیکشن کے آخری لیول پہ کرتے ہیں۔اور ایک بہترین شیف کی انا یہ کہتی ہے کہ جس کے لئے کیک بناؤ' اس کو وہ پسند آنا چاہیے۔''

کالر سے نادیدہ گرد جھاڑ کر وہ اٹھا اور بے تاثر سخت نگاہوں سے فصیح کو دیکھا۔

''اس کی چمڑی ادھیڑ دو فصیح۔یہ جو کچھ جانتا ہے اس سے اگلواؤ۔زندہ یا مردہ' مجھے ان دونوں کو واپس اس جیل میں دیکھنا ہے۔'' پھر ایک قہر آلود نظر اس شیف پہ ڈالی جس کو وہ زنجیر پا کر چکے تھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

.....❖❖❖.....

پاؤں رکھتے ہیں جو مجھ پر' انہیں احساس نہیں ..... میں نشانات مٹاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

فوڈلی ایور آفٹر ریسٹورانٹ میں اس شام ہلکی پھلکی گہما گہمی تھی۔سلک شرٹ اور ڈنر جیکٹ میں ملبوس احمر شفیع اندر داخل ہوا' شناسائی سے کاؤنٹر والے لڑکے کو ہاتھ ہلایا اور سیدھا زینے اوپر چڑھتا گیا۔اس کا چہرہ سنجیدہ اور بے تاثر تھا۔بالائی ہال کا دروازہ کھولا تو دیکھا' وہاں صرف فارس غازی کھڑا تھا۔گرے سوئیٹر میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے وہ احمر کی طرف پشت کیے' شیشے کی دیوار سے باہر دیکھ رہا تھا۔احمر نے دروازہ بند کیا تو فارس اس کی طرف گھوما۔پھر چہرے پہ سنجیدگی لئے' تیکھی نظریں اس پہ جمائے' وہ چند قدم آگے بڑھا۔

''کیا حال ہے غازی؟''

''بلایا اور کام سے تھا مگر نیوز میں کچھ دیکھا ہے میں نے' اسٹپنی۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔''اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کاردارز کا ہاتھ ہے مگر کاردارز کا دایاں ہاتھ تو آج کل تم ہو۔ہے نا؟''

احمر نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔''کنسلٹنٹ کلائنٹ پریویلج کے تحت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔''

''اور اس بے ہودہ فقرے کا مطلب دوسرے لفظوں میں ''ہاں'' ہوتا ہے۔''

''ہاں ہو یا ناں' تم کیوں جاننا چاہتے ہو؟''

''کیا مطلب میں کیوں جاننا چاہتا ہوں؟'' فارس کی آنکھوں میں غصہ اور تعجب دونوں عود آئے۔''منع کیا تھا تمہیں' کاردارز کی غلامی مت کرو' وہ تم سے ایسے ہی کام کروائیں گے۔ایک بے قصور عورت کو رسوا کر کے کیا ملے گا تمہیں؟ کرمنل بنتے جا رہے ہو تم!''

احمر لب بھینچے خاموش رہا۔وہ دونوں چند قدم دور آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اپنا استعفیٰ لکھو اور اپنی مالکن کے منہ پہ مار کر آؤ۔آج ہی اسٹپنی۔تم یہ جاب چھوڑ رہے ہو' اور میں تمہارے منہ سے ناں نہیں سنوں گا۔''

''جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تم سے آرڈر نہیں لیتا' فارس غازی!'' اس کا لہجہ اجنبی اور روکھا تھا۔

فارس کے ابرو مزید تن گئے' پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوا۔ دو قدم مزید قریب آیا۔

''اور جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تمہارا دوست ہوں' اور تمہیں ایسا انسان نہیں بننے دینا چاہتا جس کو میں پہچانوں بھی نا۔''

''پہچانتا تو میں بھی نہیں ہوں اب تمہیں۔'' احمر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا۔ لمحے بھر کو فارس کا سانس تھم گیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ تم خود کیا ہو؟'' احمر کی آواز بلند ہونے لگی۔ ''میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے سروائیول کے لئے کر رہا ہوں' میں قانون توڑوں اپنی گردن آزاد رکھنے کے لئے تو وہ غلط... لیکن عظیم فارس غازی وہی کام کرے تو وہ صحیح۔ کیوں غازی؟ کیا تم وہ انسان رہے ہو جو مجھے پہلی دفعہ ملے تھے؟ تب تم نمازیں پڑھتے تھے' اب تم ایک athiest بن چکے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا تم نے ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال میں آگ نہیں لگائی تھی؟ کیا وہ جرم نہیں تھا؟ کیا تم انتقام کے نام پہ لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے؟ تم دھوکہ نہیں دیتے؟ کیا معلوم تم نے وہ تینوں قتل بھی کیے ہوں۔ تم کرو تو سب ٹھیک۔ سب Justified۔ کردار زو ہی کام کریں' احمر شفیع لوگوں کے ویڈیو اسکینڈل لیک کرے تو وہ غلط۔''

''تم ایک ہی سانس میں مجھے کافر' دھوکے باز' جھوٹا اور قاتل کہہ رہے ہو۔'' فارس سرخ آنکھوں سے غرایا۔ ''یہ مت بھولو کہ میرا خاندان تباہ ہوا تھا۔ میں جو بھی کرتا ہوں ان لوگوں کے ہاتھ روکنے کے لئے کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیں مزید تباہ نہ کر سکیں۔''

''دو غلط مل کر ایک صحیح نہیں بناتے' فارس غازی!'' احمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ وہ دونوں آمنے سامنے' سرخ چہروں کے ساتھ کھڑے تھے اور اتنی سردی میں بھی ہال میں شدید گرم سا تناؤ در آیا تھا۔ ''اسی طرح کاردارز کے پاس بھی اپنے غلط کاموں کی توجیہات ہوتی ہیں۔''

فارس انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

''یہ.... ''میرا'' سروائیول ہے۔ یہ میرا سیلف ڈیفینس ہے' غازی اور اگر تمہارے لئے یہ درست ہے تو غلط یہ میرے لئے بھی نہیں ہے۔''

''اگر تمہیں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی لگتی ہیں' اور تم ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے' تو میں تمہیں کبھی نہیں سمجھا سکتا۔''

''تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو تو بہتر ہے۔ میں اپنی بقا کے لیے لڑنا سیکھ چکا ہوں۔ اس لئے میرے معاملوں سے دور رہو غازی۔''

ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا وہ تیزی سے مڑا اور باہر نکل گیا۔ پیچھے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو قابو کرتا فارس تنہا کھڑا رہ گیا۔

.....❖❖❖.....

رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گہری ..... صبح ہونے کا مگر دل میں یقین رکھنا ہے

وہ رات کو لمبو پہ بھی اتر آئی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں سویا تھا۔ یونہی بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ رات بھی آدھی بیت گئی۔ شہر خاموشی میں ڈوبتا گیا۔ تب وہ اٹھا اور بیگ کندھے سے لگائے باہر نکلا۔ سڑک سنسان تھی۔ وہ چوکنا سا آگے بڑھتا گیا۔ بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھتا۔ چند منٹ بعد وہ ایک ویران گلی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا جب دائیں طرف ایک بند بیکری کا بینر دیکھا۔ وہ انگریزی میں لکھا تھا۔ مسٹر بیکر۔ سعدی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیکری کے دروازے تک آیا۔ اس کا لاک عام سا تھا۔ مگر کھولنے کے لیے کوئی تار' کوئی پن' کوئی بھی چیز دستیاب نہ تھی۔ اس نے پستول نکالا (جس کے اوپر سائیلنسر فٹ تھا) اور لاک کی طرف رخ کر کے ٹریگر دبایا۔ پستول سے آواز نہ آئی مگر اس نے زور کا جھٹکا کھایا۔ وہ پورے کا پورا ہل کر رہ گیا۔ دل تک کانپ گیا۔ مگر خیر... اب دروازے کو ٹھوکر ماری تو وہ کھل گیا۔

اندر بیکری سنسان' تاریک پڑی تھی۔ اس اسٹریٹ کی بہت سی دکانوں کی طرح۔ یہ درمیانے درجہ کی بیکری تھی۔ اس نے لائٹ

والی تو کمرہ روشن ہوا۔ وہ گھوم کر کاؤنٹر کے پیچھے آیا اور شوکیس کے اندر جھانکا۔ کیکس، پیسٹریز۔ براؤنیز۔ اس سے آگے اس نے نہیں دیکھا۔ وہ ان کا بھوکا تھا۔ اس نے بیگ پرے رکھا اور ایک بڑا سا کیک باہر نکالا۔ اردگرد کسی چمچ کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ کچھ خاص نظر نہ آیا تو وہ ہاتھوں سے شروع ہو گیا۔ وحشت سے، دیوانہ وار، وہ تیز تیز کھاتا جا رہا تھا۔ ساتھ بار بار دروازے کو بھی دیکھتا۔

حنین کی فینٹسی تھی، کہ کبھی وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور پھر... مزے مزے کی چیزیں بلا روک ٹوک کھاتی جائے، کھاتی جائے۔ س کی خواہش کس کے نصیب میں لکھی تھی۔

ایک دم سے اسے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ وہ برق روی سے پیچھے کو گھوما اور پستول والا ہاتھ تان لیا۔ دوسرے بازو کی آستین سے پلکی کریم رگڑی۔

بیکری کے اندرونی دروازے پہ ایک آدمی شب خوابی کے لباس میں کھڑا تھا۔ اس کے پستول تاننے پہ اس نے ہاتھ اٹھا دیے۔

''ریلیکس ریلیکس...'' وہ اسے تسلی دینے کے انداز میں میں کہنے لگا۔ سعدی سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے پستول تانے رہا۔

''مجھے مت مارنا۔ تم کھا لو جتنا کھانا ہے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' وہ چوکھٹ میں ہاتھ اٹھائے کھڑا کہہ رہا تھا۔ سعدی اسی طرح پستول اس پہ تانے اسے گھورتا رہا۔

''اس فریج میں صبح کے پیزا رکھے ہیں مائیکرو ویو میں گرم کر لو ان کو، بچے اور ساتھ لے جاؤ۔ میرا دل اتنا چھوٹا نہیں۔ لے جاؤ۔'' وہ ہاتھ اٹھائے، نرمی سے کہتا دو قدم مزید آگے بڑھا۔ سعدی نے آہستہ سے پستول والا ہاتھ نیچے کیا۔

''میں بغیر پیسوں کے کچھ نہیں لوں گا۔'' ڈیڑھ دن بعد وہ پہلی دفعہ بولا تو احساس ہوا کہ آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ تم جو لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔ تم برے انسان نہیں ہو، میں دیکھ سکتا ہوں۔ تم صرف بھوکے ہو۔'' وہ ہمدردی سے بولا۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا اور سر جھکا کر شوکیس میں رکھی براؤنیز کو دیکھا۔ ''مجھے یہ ایک ڈبے میں ڈال دو۔ جلدی۔''

بیکر ہاتھ گرا کر تیزی سے آگے آیا، ایک ڈبے کا گتا اٹھایا، اس کی اطراف کو موڑ کر اس کو چوکور ڈبے کی شکل دی، پھر سعدی کے ساتھ آ کھڑا ہوا، اور جیسے ہی وہ براؤنیز نکالنے کے لئے جھکا، سعدی یوسف نے کہنی اس کی گردن کی پشت پہ ماری، اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، وہ بیکری کی گردن کو اپنے بازو کے نرغے میں لے کر اس کی مخصوص رگ کو دباتا گیا۔

''تم نے پہلا فقرہ ہی مجھ سے انگریزی میں بولا۔ سنہالی کیوں نہیں بولی، ہاں؟ نیم روشن کمرے میں پہلی دفعہ مجھے دیکھتے ہی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں انگریزی سمجھنے والا فارنر ہوں، ہاں؟'' بیکر ہاتھ پاؤں مارتا رہا، مگر منہ سے آواز تک نہ نکلی، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر ڈھے گیا۔

سعدی نے جلدی سے ٹشو اٹھا کر اپنے کریم والے ہاتھ صاف کیے، پھر جھک کر اس کی جیب تھپتھپائی۔ اندر سے موبائل نکالا۔ نیا پیغام آیا ہوا تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی سنہالی کے باوجود بیکر کا پیغام اور جوابی پیغام سمجھ لیا۔ اپنے کسی جاننے والے کو ''پوسٹر والے لڑکے'' کی اپنی بیکری میں موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

کسی احساس کے تحت سعدی اٹھا اور بیکری کی بتیاں جلائیں۔ تلاش کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کیش کاؤنٹر کے اوپر ہی اس کا پوسٹر لگا تھا۔

وہ 100 فیصد اس کی شکل نہیں تھی، مگر سیاہ رنگ سے کھینچا خاکہ، گھنگریالے بال، بھوری آنکھیں، گوری رنگت، اٹھی ہوئی ناک... نوے فیصد وہ سعدی ہی تھا۔ اس پوسٹر پہ لکھا تھا کہ وہ تامل ٹائیگرز کا جاسوس ہے (تامل ٹائیگرز سری لنکا میں وہی تھے جو پاکستان میں تحریکِ طالبان

ہے۔فرق اتنا ہے کہ تامل ٹائیگرز 2009 میں مکمل طور پہ پسپا ہو چکے تھے۔) اور وہ تامل تحریک کو پھر سے اٹھانے کے لیے سرگرم کارکنوں کے ساتھ کام کر رہا ہے۔اس کی گرفتاری پہ بھاری انعام رکھا گیا تھا۔ساتھ ایک فون نمبر بھی درج تھا۔ڈیم اِٹ۔سعدی نے تیزی سے وہ پوسٹر پھاڑ کر اتار لیا (اوپر لکھے فون نمبر کے دو ہندسے دیوار سے لگے رہ گئے۔)

پوسٹر بیگ میں ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ابھی تک گلی سنسان تھی۔اسے پکڑنے آنے والوں کو ابھی (پیغام کے مطابق) 10 منٹ لگنے تھے۔مین روڈ سے اس نے ٹک ٹک پکڑا' اور اس میں بیٹھ گیا۔اب وہ جھک کر' بیگ کو خود سے لگا کر نہیں بیٹھا تھا۔اب وہ گردن اٹھائے' سنجیدہ اور ہوشیار سا بیٹھا تھا۔رستے میں اس نے تین رکشے بدلے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اس جگہ سے کافی دور' ایک فلیٹ بلڈنگ کی تیسری منزل میں ایک اپارٹمنٹ کا تالہ کھول کر' اس کے اندر کھڑا تھا۔ پوری عمارت میں صرف یہی فلیٹ یوں لگتا تھا کہ مکینوں سے خالی ہے۔(اس کی بالکونی میں رکھے پودے سوکھ رہے تھے۔گویا سارا خاندان جلدی میں گھر سے گیا ہو' کوئی ناگہانی آ گئی ہو' اور ابھی تک واپس نہ آ سکا ہو۔)

اس نے مختلف الماریاں کھولیں۔کپڑے دیکھے۔جوتے دیکھے۔لاؤنج میں پڑا فون بھی دیکھا۔مگر اس کو چھوا تک نہیں۔پھر وہ ایک باتھ روم میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو بڑھی ہوئی شیو ویسی ہی تھی البتہ۔گھنگریالے بالوں پہ گویا استرا پھیر کر ان کو بہت چھوٹا کر دیا تھا۔شاید ناخن سے بھی آدھے رہ گئے ہوں۔نئی جینز شرٹ میں ملبوس' اس نے باہر آ کر بوٹ پہنے۔اور آئینے میں خود کو دیکھا۔اب وہ اسکیچ والے سعدی سے کافی مختلف لگ رہا تھا۔

وہ رات سعدی اسی فلیٹ میں رہا۔ان کا کمپیوٹر اس نے کھول کر' پاسورڈ اڑا کر' انٹرنیٹ کھولا۔اپنا کوئی میل اکاؤنٹ وہ لاگ ان کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔اس نے ندرت کی فیس بک آئی ڈی کھولی۔(یہ کسی زمانے میں امی کو بنا کر دی تھی' بیرونِ ملک رشتے داروں کی تصاویر دیکھنے' ان پہ جھوٹی تعریفیں لکھنے اور اپنے ریسٹورانٹ کے پیج پہ لوگوں کے اچھے ریویوز پڑھ کر خوش ہونے کے لئے وہ اسے استعمال کرتی تھیں۔) پاسورڈ سعدی کے پاس تھا۔اس نے ڈالا اور پھر...گویا ایک نئی دنیا کھل گئی۔

وہ ایک کے بعد ایک گھر والے کی آئی ڈی دیکھتا رہا۔سب کی ٹائم لائن بھری ہوئی تھی۔تصویریں' چیک اِن' کون کہاں گیا' کس کی سالگرہ ہوئی' کس نے کس کو ٹیگ کیا...حنین اور زمر کی اکٹھی مسکراتی ہوئی سیلفی...(یہ دونوں...ایک دوسرے کے ساتھ اتنی خوش؟) اسامہ کی تصویر...(یہ...اتنا بڑا؟ اتنا لمبا؟) اور پھر...فارس کی پروفائل...اس میں کچھ خاص نہ تھا...وہ کم ہی لاگ اِن کرتا تھا...مگر اوپر اوپر اسامہ کے پوسٹ کی ہوئی تھی۔''ماموں...کراچی نہ جائیں۔'' فارس نے کوئی کمنٹ نہیں کیا تھا مگر نیچے حنین اور زمر کے جوابات تھے۔زمر کہہ رہی تھی اوہ فارس کو تنگ نہ کرے' اور حنہ نے خفگی سے زمر کو فارس کی سائیڈ نہ لینے کا کہا تھا۔

وہ بالکل چپ بیٹھا رہا۔سارے حساب الٹے ہو گئے تھے۔زندگیاں بدل گئی تھیں۔وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔وہ سب آگے نکل گئے تھے۔ان کی زندگیاں کتنی پرسکون' اور صاف ستھری تھیں۔

فارس...جو جیل میں تہجد اور فجر پڑھا کرتا تھا' اب بھی اس کا ایمان ایسا ہی مضبوط تھا۔ہر قسم کے کفر سے پاک۔

حنین...اس کی بہن...جس کی پروفائل پہ فجر کی نماز سے متعلق احادیث لکھی تھیں۔وہ کتنی سچی سی حنہ تھی۔ہر طرح کے جھوٹ سے پاک۔

زمر...صاف' کھری' نڈر سی زمر' جو ہر فریب سے دور تھی۔ہر مکر سے پاک تھی۔

اور وہ خود...اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔وہ ایک قاتل تھا۔

اس نے مڑ کر ایک دفعہ پھر لاؤنج میں پڑے فون کو دیکھا۔مگر پھر سر جھٹک کر ارادہ بدل دیا۔

وہ اپنے گھر واپس نہیں جا سکتا تھا۔وہ ان کی طرح روشن' نیک اور صاف ستھرا نہیں رہا تھا۔اس کے اندر کے اندھیرے اس کے اپنوں کی ساری روشنی نگل لیں گے۔

یوں سعدی یوسف نے رہائی کے بعد کسی کو کال نہیں کی۔اسے کرنی ہی نہیں تھی۔صبح وہ اس فلیٹ سے باہر نکلا اور کیب لے کر کولمبو فورٹ کے ٹرین اسٹیشن کی طرف آ گیا۔بالکل کراچی یا لاہور کے جیسا اسٹیشن تھا۔مگر ذرا صاف ستھرا زیادہ تھا۔پہلے وہ اسٹال کی طرف آیا۔موٹے فریم کا چشمہ خریدا اور اسے آنکھوں پہ لگایا' پھر پی کیپ ماتھے پہ مزید جھکا کر ٹکٹ ونڈو تک آیا۔لائن میں تب کھڑا ہوا جب سب سے آخر میں اس نے ایک لڑکی کو کھڑے دیکھا۔وہ ساتھ کھڑے لڑکے سے بات کر رہی تھی۔

''اوہ گاڈ۔'' وہ جیب تھپتھپا کر اونچا سا بولا۔''میں اپنا سیل فون شاپ پہ چھوڑ آیا۔'' وہ دونوں مڑ کر اس کا پریشان چہرہ دیکھنے لگے۔

''آپ میرے لیے کینڈی کا ٹکٹ خرید دیں گی۔پلیز۔میں سیل فون لے آؤں۔'' جلدی جلدی چند نوٹ اسے تھما کر وہ مڑ کر بھاگا۔لڑکی حیران رہ گئی مگر لڑکے نے اسے تسلی دی کہ وہ اس کے لئے ٹکٹ لے لیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ ان کی باری آ چکی ہے اور وہ ٹکٹ لے چکے ہیں' تب وہ واپس ان تک آیا اور بہت ہی مایوسی سے بتایا کہ وہ سیل کھو چکا ہے۔انہوں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بقایا پیسے اور ٹکٹ اسے تھمائے' جنہیں لے کر وہ پھر سے وہاں سے غائب ہو گیا۔ٹرین کی روانگی تک وہ ایک باتھ روم میں دروازہ بند کر کے کھڑا رہا' اور جیسے ہی وقت قریب آیا' وہ باہر نکلا اور ٹرین میں جا سوار ہوا۔نہ کسی نے اسے دیکھا' نہ کسی نے اسے محسوس کیا۔وہ ایک کونے کی سیٹ پہ بیٹھ گیا اور اخبار' وہ کسی مسافر نے نہیں چھوا تھا کہ ہر کوئی اپنے اسمارٹ فون کے ساتھ لگا تھا' کو چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔

دو منٹ بعد ٹرین چل پڑی...اور اسے کولمبو سے دور لے گئی...دور....بہت دور...

.....❖❖❖.....

یہ دن ہیں کہ یاروں کا بھروسہ بھی نہیں ہے ..... وہ دن تھے کہ دشمن سے بھی نفرت نہیں ہوئی تھی

ہوٹل کی زیرِ زمین جیل میں فصیح سعدی کے کمرۂ بجن میں کھڑا تھا اور اس کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ساتھ والے کمرے میں تین افراد اس شیف کو باندھ کر اس کے چہرے پہ کپڑا ڈالے اس پہ بار بار گرم پانی ڈال رہے تھے اور وہ درد سے کراہتا بے ربط الفاظ بولے جا رہا تھا۔

میری فصیح کے ساتھ کھڑی تھی اور اس کو سعدی کی چیزوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''وہ یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر گیا' سوائے ان کاغذات کے جن پہ وہ کچھ لکھا کرتا تھا۔''

''ہوں۔'' فصیح نے ہنکارا بھرا' پھر سر اٹھا کر میری کو دیکھا۔''تم اوپر چلی جاؤ۔تم کاردار صاحب کے ساتھ واپس جاؤ گی۔''

میری کی آنکھیں نم ہو گئیں۔''مگر میں نے ان کو مایوس کیا ہے۔میری مخبری کی وجہ سے وہ اس کمرے تک پہنچے اور وہاں سے بھاگے۔''

''مگر تمہاری نیت صاف تھی۔جاؤ' کاردار صاحب اوپر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔میری آنکھوں کو پونچھتی باہر نکل گئی۔فصیح موبائل پہ بٹن دباتا باہر آیا اور لفٹ کی طرف بڑھتے' دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

''سر' ایک اہم بات ہے۔'' لفٹ میں داخل ہو کر وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

''کیا ہوا' فصیح؟'' ہارون مصروف لہجے میں بولے تھے۔

''شیف ٹوٹ چکا ہے۔سب اگل دیا ہے۔لیکن زہریلی سرنج کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔سر۔'' وہ متذبذب سا رکا۔''سعدی یوسف کے سامان میں دو چیزیں مِسنگ ہیں۔ایک اس کے کاغذ' دوسرا مِس آبدار کا پین۔مِس اپنی نوٹ بک اس کے پاس چھوڑ گئی تھیں۔میں وہ لینے لگا تو وہ پین یاد آیا۔صرف وہی پین تھا جو سیکیورٹی پوائنٹ پہ چیک نہیں کیا گیا تھا۔میرا خیال ہے مِس آبدار نے اس میں زہر....''

''آج تو تم نے میری بیٹی پہ الزام لگا دیا ہے' آئندہ کبھی مت لگانا۔'' وہ ایک دم گرج کر بولے تھے۔''وہ میرا پین تھا' اور وہ سعدی نے نہیں رکھا تھا۔آبی اسے واپس لے آئی تھی۔تمہاری یادداشت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔اپنی ناک کے نیچے سارا کھیل رچاتے شیف کو تم پکڑ نہیں سکے' اور میری بیٹی پہ الزام لگاتے ہو؟''

فصیح کے ایک دم پسینے چھوٹ گئے۔رنگت متغیر ہوئی۔''سوری سر' میرا یہ مطلب...'' مگر ہارون اس کے سارے خاندان کو مغلظات سے نواز کر' اسے گویا ادھ موا کر کے فون بند کر چکے تھے۔

وہ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔فون بند کر کے انہوں نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار گیر کھڑکی کی طرف کر کے بٹن دبایا۔بلاک آؤٹ بلائنڈر فوراً سے کھڑکیوں پہ گرنے لگے یہاں تک کہ ساری روشنی ختم ہو گئی اور آفس میں اندھیرا چھا گیا۔ہارون ٹیک لگائے' تھوڑی مسلتے' چھت کو دیکھتے کتنی ہی دیر سوچتے رہے۔پھر انہوں نے انٹر کام اٹھایا۔

''آفتاب کو بلاؤ۔''

آدھے گھنٹے بعد....وہ اسی طرح اندھیرا کیے' کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے جب آفتاب اندر داخل ہوا۔وہ دبلا پتلا' ادھیڑ عمر شخص تھا اور اچھا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ہارون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''میری بیٹی نے مجھے صبح اطلاع دی تھی کہ وہ چند دن کے لئے میرا بزنس جیٹ لے کر جا رہی ہے۔اس نے میرے عملے کو بھی چھٹی دے دی ہے۔....مجھے معلوم ہے وہ کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہے جس کے بارے میں وہ مجھے نہیں بتانا چاہتی۔''

آفتاب توجہ سے سن رہا تھا۔

''وہ اپنے قابلِ بھروسہ لوگوں کو عملے میں رکھے گی۔وہ تم پہ بھروسہ کرتی ہے۔اکثر تمہیں کام کہتی رہتی ہے۔تم اس عملے میں شامل ہو گے۔''

''اور میں آپ کو معلوم کر کے دوں گا کہ وہ کس کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں؟''

''میں پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ اس کا نیا دوست کون ہے اور یہ بھی کہ وہ کولمبو کیوں جانا چاہتا ہے۔تم بس کولمبو میں آبی کے قریب رہو گے' اور اس کی حفاظت کرو گے۔'' ان کا چہرہ اندھیرے میں تھا' اور دن کے اوقات کے باوجود آفتاب کو ان کا چہرہ دیکھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔وہ دھیان اور غور سے سنتا گیا۔

.....❖❖❖.....

اب سانس کا احساس بھی اِک بارِ گراں ہے ..... خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

میری اینجیو نے اس روز یونیفارم کی بجائے سادہ بھوری اسکرٹ' بلاؤز کے سیاہ لمبی جرابیں پہنی تھیں۔جس وقت وہ کار سے نکل کر سبزہ زار پہ کھڑی ہوئی' اس کی گردن خود بخود قصرِ کاردار کو دیکھنے...نگاہوں میں سمونے کے لئے...اوپر اٹھتی گئی۔دھند اور سرخ شام کے ڈھلتے موسم میں پوری شان سے کھڑا اونچا محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔اگلی کار سے ہاشم اور جواہرات نکلے تھے۔سونی آگے بھاگ گئی تھی۔وہ دونوں باتیں کرتے قصر کی طرف بڑھ رہے تھے۔میری نے گردن سیدھی رکھی' اور دلی جذبات پہ قابو پاتی' ہمت مجتمع کر کے ان کے پیچھے چل پڑی۔رواج کے مطابق خوش آمدید کہنے ملازم دروازے پہ آ کھڑے ہوئے تھے۔فیونا بھی ان میں سے ایک تھی۔سب سے آگے' وہ اعتماد سے

مسکرا کر جواہرات کا استقبال کر رہی تھی۔دونوں ماں بیٹا اسی بے نیازی سے اندر داخل ہوئے اور فیونا نے دیکھا' ان کے پیچھے میری اینجیو چلی آ رہی ہے۔فیونا یکدم بت بن گئی۔بالکل منجمد۔میری قدم قدم چلتی قریب آئی۔اس کے ادھیڑ عمر چہرے پہ فیونا کے مقابلے میں ڈھیروں لکیریں اور تجربے کے بل پڑے تھے۔سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے فیونا کو دیکھا۔

''بہروز سے کہو' میرا کمرہ تیار کرے۔'' تحکم سے کہا تھا۔فیونا نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا جو اندر جا رہی تھی اور پھر بے بسی بھرے تعجب سے واپس میری کو۔

''بہروز...سارا پرانا اسٹاف...اب یہاں جاب نہیں کرتا۔'' پھر ذرا اعتماد سے بولی۔''اب یہاں کا اسٹاف بدل گیا ہے میری اینجیو۔''

''بہت اچھے۔اس بدلے ہوئے اسٹاف کے لوگوں سے کہو' میرا کمرہ تیار کریں اور یہ بھی کہو' صبح منہ اندھیرے وہ اٹھ کر تیار ہو جائیں' کل میں سارے گھر کے اِن ڈور پلانٹس کی جگہیں بدلنا چاہوں گی۔'' پھر ایک طائرانہ نظر برآمدے پہ دوڑائی۔''اور ادھر کے سارے پودے کہاں گئے؟ میں چند دن کے لئے کیا گئی' تم لوگ تو نکمے ہو گئے ہو....'' ڈپٹ کر بولتی وہ اندر بڑھ گئی۔فیونا ہکا بکا سی ساکت کھڑی رہ گئی۔

اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی جواہرات کہہ رہی تھی۔''میری....مساج کے لئے سامان تیار کرو۔میرے پیر بہت درد کر رہے ہیں۔''

اور اوپر سیڑھیوں کے زینے چڑھتے ہاشم نے آواز لگائی تھی۔''میری....بلیک کافی بھیجو میرے کمرے میں فٹافٹ۔'' اور میری اینجیو مسکرا کر' سر کو خم دیتی' دونوں کو جواب دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔

پہلے احمر شفیع اور اب میری اینجیو....فیونا کا سارا وجود زمین بوس ہو گیا تھا۔

اپنے کمرے کے دروازے کے قریب ہاشم رکا۔سامنے سے نوشیرواں چلا آ رہا تھا۔دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر ہاشم تنے تاثرات کے ساتھ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔اسے امید تھی کہ شیر و معذرت کرنے پیچھے آئے گا مگر چند لمحے بعد زینے اترنے کی آواز نے اس کے دل کو دھکا سا لگایا۔مگر وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔کوٹ اتارتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

زندگی اس کے لئے معمول پہ آ چکی تھی۔سعدی یوسف کے بھاگنے کے بعد اسے اگلا کارڈ کون سا کھیلنا تھا' اب اسے یہی سوچنا تھا۔

.....❖❖❖.....

اب تیرے قریب آ کے بھی کچھ سوچ رہا ہوں ..... پہلے تجھے کھو کر بھی ندامت نہ ہوئی تھی

ائیر پورٹ جانے سے پہلے' گھر کے اندر سب سے مل کر' خدا حافظ کہہ کر اب وہ پورچ میں آ کر کار میں سامان رکھنے لگا تھا' اور جانتا تھا کہ اس سے اس وقت کوئی خوش نہیں تھا۔اس نے سارہ کو فون کرنے کا سوچا پھر رہنے دیا۔وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ چکا تھا۔

موبائل نکال کر اس نے کال ملائی اور تھوڑی دیر کے لیے گیٹ سے باہر جا کر بات کرنے لگا۔

''میں پھر سے دہرا رہا ہوں۔تم چوبیس گھنٹے میرے گھر کے باہر رہو گے۔میرے گھر کون آتا ہے' یہاں سے کون کہاں جاتا ہے' تم ان پہ نظر رکھو گے۔قادر میرے بھانجے کے قریب رہے گا۔جب تک وہ اسکول میں ہو گا' وہ اسکول کے باہر کھڑا رہے گا۔میں کچھ دن میں آ جاؤں گا' لیکن میرے پیچھے تم لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کرو گے۔'' اور دوسری طرف موجود نذر اسے تسلی دے رہا تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔

زمر نے ائیر پورٹ تک کی ڈرائیو خاموشی سے طے کی وہ بھی چپ سا کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔صرف حنین ساتھ آئی تھی اور پیچھے چپ بیٹھی تھی۔فارس نے اس سے ابھی تک بات نہیں کی تھی۔

پھر احاطے کے اندر آ کر...ڈھیروں مسافروں کے درمیان....زمر اس جگہ رکی جہاں سے آگے وہ نہیں جا سکتی تھی۔وہ بھی ٹھہرا کچھ دیر دونوں خاموش کھڑے رہے۔

''تو طے ہوا کہ تم نہیں رکو گے۔بھلے کوئی کتنا ہی روکے!'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ اس کے مقابل کھڑی' اداس مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگی۔

''کسی نے روکا ہی نہیں تو کیسے رکتا؟'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔

زمر بس یاسیت سے اسے دیکھتی رہی۔''مت جاؤ۔''

''آ جاؤں گا واپس۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''اور اگر جو نہ آئے' فارس....'' وہ بے بسی سے دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی تھی۔جیسے اپنی بات کی وضاحت نہ کر پا رہی ہو۔''مجھے لگتا ہے میں تمہیں کھو دوں گی۔''

''تم سب محفوظ ہو۔پہلے نہیں تھے۔اب ہو۔کیونکہ اب ہم سب اکٹھے ہیں۔'' اردگرد موجود لوگوں سے قطعاً بے نیاز ہو کر اس نے زمر کے دونوں ہاتھ تھامے۔اسے پرواہ نہیں تھی کوئی دیکھ کر کیا سوچتا ہے۔ہاتھ تھامنے کا مطلب صرف رومانس تو نہیں ہوتا۔جیسے بھائی بہن کا' باپ بیٹی کا ہاتھ تھام کر اسے حفاظت' اور بھروسے کا احساس دلاتا ہے' ویسے ہی شوہر اور بیوی کے رشتے میں (اگر بالی وڈ کی عینک اتار کر تم دیکھو) تو دوستی' اعتماد' حفاظت' مان' یہ سب ہوتا ہے' اور رومانس تو ایک بہت ثانوی چیز بن کر رہ جاتا ہے۔

اور اس وقت وہ خود کو جتنا کمزور محسوس کر رہی تھی' فارس کا یوں ہاتھ تھام کر احساس دلانے سے...اس کی آنکھیں جانے کیوں بھیگ گئیں۔سرخ گڑیا سے جڑی ساری تلخی ہوا ہوئی۔

''پچھلے ساڑھے چار سال اچھے گزرے فارس۔میں اِن سیکیور نہیں محسوس کرتی تھی خود کو۔کھونے کے لئے کچھ رہا ہی نہیں۔مگر اب...ماہِ کامل کے بعد سے...اس رشتے کے بعد سے...کھونے کے لئے بہت کچھ آ گیا ہے زندگی میں۔پلیز جلدی واپس آ جانا۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہی تھی۔آج اس سے لڑنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''تو تم مجھے مِس کرو گی؟'' وہ مسکرایا۔مگر خوش وہ بھی نہیں تھا۔

''میں تمہیں مِس کیوں کروں گی؟'' زمر نے مسکراہٹ دبائے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے۔''آئی ہیٹ یو۔'' اور فارس غازی نے سر کو خم دیا۔

''آئی لو یو ٹو!'' اور بیگ اٹھا کر کندھے پہ ڈال لیا۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔گردن پیچھے کو پھینک کر محظوظ ہو کر۔پھر اسے دیکھا۔وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔مسکرا کر۔محظوظ ہو کر۔زمر کے دل میں ایک دم بہت سے واہمے در آئے۔

''تم ایسے ہی واپس آؤ گے نا؟ بدل تو نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں۔'' اس نے مسکرا کر تسلی دی۔پھر اس کی طرف جھکا۔''اور میں اس کو دن میں تین چار کی بجائے صرف ایک یا دو کالز کیا کروں گا۔''

''ہاں ہاں کر لینا۔'' وہ پھر ہنس دی تھی۔وہ اسے صرف ستا رہا ہے۔ایسا کچھ نہیں ہے۔اس نے خود کو تسلی دے دی اور پھر مڑ آئی۔اس کو دور جاتے دیکھنا مشکل تھا۔خود دور جانا زیادہ آسان تھا۔

حنین اس کی منتظر تھیں۔وہ چپ چاپ اس سے آ ملی۔ماحول بوجھل سا تھا۔اور پھر اسی بوجھل ماحول میں وہ دونوں گھر جانے کے بجائے ایک ریسٹورانٹ میں آ بیٹھیں۔حنین نے آرڈر دیا اور زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''مبارک ہو۔آپ کا شوہر بھاگ گیا' اور میرا بھائی ابھی تک گمشدہ ہے۔'' حنہ نے تھوڑی دیر بعد جلے کٹے انداز میں کہا۔

''ہم دونوں ناکام عورتیں ہیں کیونکہ ہمارے سب سے عزیز مرد ہمیں چھوڑ جاتے ہیں۔'' وہ خفگی سے بول رہی تھی۔ ''فرعون بھی تو یہی کرتا تھا۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے... بار بار... کہ بنی اسرائیل... وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔''

''بیٹیوں کو نہیں' عورتوں کو۔'' زمر نے دھیمی آواز میں تصحیح کی مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''یہ عذاب تھا بنی اسرائیل کا۔ایسی ذلت کہ کوئی آپ کے مردوں کو مار دے' اور عورتوں کو چھوڑ دے۔اکیلی عورتوں کو۔بنی اسرائیل کی بے بسی اور لاچاری تو دیکھو۔بالکل ہماری طرح۔''

''ہاں ٹھیک ہے یہ آیت ''یقتلون ابنائکم وہ یستحیون نسائکم'' بنی اسرائیل کی بے بسی بیان کرتی ہے' مگر اس کے اور زوایے بھی ہیں۔'' زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

''مثلاً کون سے؟'' وہ سخت جلی کٹی بیٹھی تھی۔فارس اس سے بات تک نہیں کر کے گیا تھا۔

''بہت سے ہوں گے نا حنین۔'' وہ جیسے اس ذکر سے احتراز برت رہی تھی۔اتنے برس سخت دل کے ساتھ گزارے تھے' اب کیا پگھلنا؟

''آپ بتائیں' میں سن رہی ہوں۔'' حنہ نے لہجہ ذرا دھیما کیا۔

''ہر آیت کے بہت سے رموز' بہت سے زاویے ہوتے ہیں۔''

''ایک منٹ زمر۔میں نے ایک بات بھائی سے کبھی نہیں پوچھی' پہلے ضرورت نہیں پڑی لیکن اب میں خود کنفیوزڈ ہو رہی ہوں کہ جیسے بھائی کی فیس بک پہ تفسیر ویڈیوز ہیں....'' وہ ذرا ہچکچائی... ''ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کیسے کر سکتے ہیں؟''

زمر دونوں کہنیاں میز پہ جمائے آگے کو ہوئی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔''ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کر بھی نہیں رہے، تفسیر تو مفسر کرتے ہیں۔عربی گرائمر' صرف نحو' وغیرہ کی باتیں۔حقائق کے حوالہ جات۔آیات کا شانِ نزول وغیرہ بتانا۔''

''تو پھر وہ جو بھائی کے فیس بک گروپ میں اس کی ویڈیوز ہیں' وہ کیا ہے؟''

زمر لمحے بھر کے لئے چپ ہوئی۔آنکھیں نیچے جھکا کر اس نے گویا کچھ سوچا۔حنہ کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔اور اس کی اپنی آنکھوں میں دلچسپی اتری۔پھر زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔(فارس کے جانے کا غم دونوں کے دل سے لمحے بھر کو نکل گیا۔)

''ہمارے رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو مفسر نہیں کہا تھا۔قرآن ایک علمی کتاب بھی ہے' لیکن یہ ''صرف'' علمی کتاب نہیں ہے۔کیا اللہ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ...(قدرے وقت سے اس نے آیت دہرائی' یہ نہیں تھا کہ آیت یاد نہیں تھی' بس اس کا یاد آنا اور خود کو یاد دلانا مشکل لگ رہا تھا) یعنی ہم نے نازل کی آپ پر یہ کتاب جو مبارک ہے' تاکہ آپ اس میں تدبر (غور و فکر) کریں اور اس کے ذریعے عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں۔تو حنین' ہم لوگ قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے' مگر اس کی آیات کے معانی کے اندر رہ کر اس میں تدبر تو کر سکتے ہیں اور اس کی دعوت خود قرآن ہر انسان کو دیتا ہے۔اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔کوئی پیدائشی عام یا خاص نہیں ہوتا۔اور اگر ہم اس کی ایک ایک آیت کو اپنی زندگی سے ریلیٹ نہیں کریں گے' تو نصیحت کیسے پکڑیں گے اس سے؟ دیکھو میں واقعی بہت نیک نہیں ہوں' اس کو پڑھتی بھی نہیں ہوں اب۔مگر میں جو قرآن کا مقصد سمجھی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ ہر انسان کے لئے نصیحت ہے۔یہ صرف ''تفسیر'' نہیں ہے۔یا یہ صرف علمی کتاب نہیں ہے۔'' حنین پیچھے ہو کر بیٹھی۔ویٹر آرڈر سرو کرنے لگا مگر زمر ادھر متوجہ نہیں تھی۔(اچھی بات ہے۔) حنہ نے اپنی پلیٹ سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"زمر! لیکن اگر ہر انسان خود سے تدبر کرنے لگے گا تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ کیونکہ اللہ اسی قرآن کے ذریعے لوگوں کو بھٹکاتا بھی ہے۔"

"تو پھر ہر قرآن پڑھنے والا بھٹک کیوں نہیں جاتا؟" وہ اب زیادہ روانی سے بول رہی تھی۔ "لوگوں نے اس آیت کو بہت غلط استعمال کیا ہے کہ چونکہ قرآن سے بندہ بھٹک بھی سکتا ہے اس لئے اس کو بس غلاف کھول کر پڑھو اور پھر چوم کر کسی اونچی جگہ پہ رکھ دو۔ دیکھو حنین۔ کوئی شخص کسی راستے پہ سفر کرنے نکلے تو یا تو وہ بھٹکے گا یا منزل تک پہنچ جائے گا۔ بھٹکنے کے ڈر سے اب کوئی سفر ہی نہ کرے کیا؟ لوگ تو روز سفر کرتے ہیں۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ جو سائن بورڈز دیکھ کر سفر کرے گا، کامن سینس یوز کرے گا وہ نہیں بھٹکے گا۔"

"میں بحث نہیں کرنا چاہ رہی زمر!" حنہ نے جرے سے پلیٹ میں دو اچھی اچھی اسٹکس نکالیں فرنچ فرائز پہ سے ساس ڈالی اور پھر سرسری انداز میں بولی۔ "مگر... اس طرح اگر ہر شخص قرآن کی تفسیر..." وہ رکی اور تصحیح کی۔ "قرآن میں تدبر کر کے اس کو بیان کرنا شروع کر دے یعنی اپنی رائے پہ بیان کرنے لگ جائے... تو..."

"اپنی رائے پہ تو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن میں ہے نا وہ کہ جہنم والے کہیں گے ہم قیامت کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آگئی ہم کو الیقین۔ اب الیقین کا مطلب "موت" ہے۔ تو آپ اس کا مطلب "یقین کر لینا" نہیں لے سکتے۔ آپ کو اس آیت کے اندر رہ کر اس کے مطلب کے دائرے میں رہ کر ہی تدبر کرنا ہے اور عقل استعمال کر کے اس سے اپنے لئے سبق نکالنے ہیں۔ اسی لئے اللہ کہتا ہے قرآن میں کہ یہ نصیحت ہے عقل والوں کے لئے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں زمر! کہ اگر ہر شخص یوں تدبر کرنے لگے گا، بھلے وہ اس کی اپنی رائے نہ ہو، بھلے وہ آیت کے اندر رہ کر ہی کیے یہ سب... تب بھی... کیا فتنہ نہیں کھڑا ہوگا؟ کیونکہ بہت سے لوگ غلط تدبر بھی کرنے لگ جائیں گے اور دوسروں کو بھٹکائیں گے۔"

حنین اب فرنچ فرائز ساس میں ڈپ کر کر کے کھاتی پوچھ رہی تھی۔ (بڑے ماموں... آپ کی وجہ سے کل سے کھانا نہیں کھایا۔)

"کیا مطلب کہ لوگ غلط تدبر کریں گے؟ لوگ پہلے ہی غلط تدبر کر رہے ہیں حنین۔ اسی قرآن کی آیات کو استعمال کر کے دہشت گرد بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ قادیانی اسی قرآن سے اپنے مطالب نکالتے ہیں۔ سلمان رشدی جیسے لوگ اسی قرآن کو توڑ کر کے اپنی کتابیں لکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہی لوگ "دین میں کوئی جبر نہیں" جیسی آیات کا معانی بدل کر اسے استعمال کرتے ہیں۔ لوگ تو ہمیشہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ایسے میں تو ہمیں زیادہ ضرورت ہے قرآن میں تدبر کرنے کی تاکہ ہم روشنی پھیلائیں اور اس سے غلط تدبر کرنے والوں کے اندھیرے کو مٹائیں۔ لوگوں کو قرآن کا اصل مطلب بتائیں۔"

"وہی تو زمر... اگر ہم بھی تدبر کو فروغ دیں گے تو ان لوگوں کے غلط تدبر کا رستہ بنے گا۔ پہلے جہاں چند لوگ قرآن کو غلط بیان کرتے تھے وہاں اب سو لوگ ایسے کرنے لگ جائیں گے۔"

"ہاں تو کرتے رہیں۔" اس نے شانے اچکائے تھے۔

"کرتے رہیں؟" حنین کا کانٹا پکڑے ہاتھ فضا میں معلق ہو گیا۔ منہ کھل گیا۔ "کرتے رہیں؟"

زمر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ہاں کرتے رہیں، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ یہ قرآن ہے۔ ڈیئر حنین اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ جو اس میں غلط تدبر کرے گا، اس میں معنوی تحریف کرے گا، وہ خود ہی رسوا ہو کر کسی کونے میں پڑا ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے ہر چیز سمندر کی جھاگ کی طرح بہہ جائے گی لیکن جو لوگوں کو نفع دیتا ہے صرف وہی رہ جائے گا۔ تو جو صحیح تدبر کرے گا اس کا کام رہ جائے گا۔ باقی سب سمندر کی جھاگ کی طرح بہہ جائے گا۔ کتنے عرب شعراء نے قرآن کی طرح کلام لکھنے کی کوشش کی، کہاں ہے ان کا کام؟ کہاں ہے سلمان رشدی کی کتاب؟ پتہ ہے کیا؟ جب امام مالک موطا لکھ رہے تھے (حدیث کی ایک مستند کتاب) تو بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کتب کا نام موطا رکھ کر

لکھنا شروع کر دیا تو [illegible] جو اللہ کے [illegible]
کا۔ آج صرف [illegible] پریشان [illegible]
ضرورت نہیں ہے [illegible] کوئی نقصان نہیں [illegible] کے ساتھ [illegible]
نصیحت کریں۔ ہم بھی [illegible] کا مطلب [illegible] اسوۃ نکالیں گے تو [illegible]
کا مجمل [illegible] ہو سکیں [illegible]

رست [illegible] حسین بھی [illegible] نے پہلے نہیں سوچا تھا [illegible] میں [illegible]

سے سعد کو مخاطب کیا۔

اور تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ [illegible]
اشارہ ہو سکتا ہے؟ تو [illegible] آیت کے الفاظ پہ غور کرو [illegible] "عورتوں" [illegible]
مقابلے پہ "زیادہ" کہا جاتا ہے [illegible] پیٹ میں [illegible]
بیٹی کی [illegible] معلوم ہوا [illegible] سال میں پیدا ہوگا۔ اس
کے حساب [illegible] سال [illegible] علیہ السلام پیدا
ہوئے اس سال بچے نہیں مارے گئے [illegible] موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے [illegible] تو ان
ایک طرف [illegible] اور دوسری طرف بھی [illegible] "عورتوں" کو چھوڑ دیتا تھا۔
[illegible] مال بھی [illegible] موسیٰ کی
والدہ اور ان کی بہن [illegible] صرف موسیٰ [illegible] کہ موسیٰ کی والدہ
کے علم کو اس وقت [illegible] غلطی کی طرف بھی اشارہ ہے۔
[illegible] غلطی کرتے ہیں جب وہ [illegible] عورتوں [illegible]
[illegible] ناتے
آج [illegible] ہو گئی۔

"انکل [illegible] ہوں۔"

حسین نے مسکرا کر [illegible]

سعدی بھائی نے [illegible]

[illegible]
کے بعد [illegible]
[illegible] نہیں تھا [illegible]
آج [illegible] گئی تھی۔

◆◆◆

[illegible] زندگی میں [illegible] لیکن [illegible] سے [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] 400 [illegible]

باہر دیکھتے فارس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ابرو ذرا اکٹھے کیے ہوئے تھے اور سر پہ سیاہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔

اس کے مقابل نشست پہ آبی بیٹھی تھی۔اس نے سرخ ریشمی رومال سر پہ باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی اور رومال سے نکلتی بھوری سرخ چوٹی بائیں شانے پہ آگے کو ڈال رکھی تھی۔وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے' سرخ لب کاٹتی' سرمئی آنکھیں فارس پہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔اس کے چہرے پہ معصومیت اور خوشی دونوں تھیں۔ملازم ٹرے لئے اس کے پاس آ کر کھنکھارا تو وہ چونکی' گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور ''تھینک یو آفتاب'' کہتے ہوئے گلاس اٹھا لیا۔ملازم فارس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے' گردن موڑے بنا ''نو تھینکس'' کہا۔آبی نے ہاتھ کے اشارے سے آفتاب کو جانے کا کہا۔وہ ایک خاموشی نظر فارس پہ ڈال کر مڑ گیا۔

وہ دونوں تنہا رہ گئے تو آبدار کھنکھاری۔''کیپ اتار دیں۔میرے ملازم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔''

فارس نے سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''اس نے تین دفعہ مجھے سر سے پیر تک دیکھا ہے۔وہ ذہن میں میری پروفائلنگ کر رہا تھا۔لینڈ کرتے ہی وہ آپ کے والد کو کال کرے گا اور ان کے سامنے مجھے پروفائل کرے گا۔''

''نہیں' وہ قابلِ بھروسہ آدمی ہے' آپ فکر مت کریں' وہ....''

''مجھے بالکل فکر نہیں ہے' آبدار۔میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے والد کو بتائے۔'' وہ بے تاثر نظروں سے اس کو دیکھ کر بولا تھا۔

آبدار کی آنکھیں اس پہ ساکت سی ہو گئیں۔''جی؟''

''میں اپنے کام خود کرتا ہوں' لیکن جب کوئی کام بساط سے بڑھ کر لگے تو اس کا بوجھ بانٹ دیتا ہوں۔میں نہیں چاہتا کہ ہاشم جانے' میں کولمبو جا رہا ہوں۔اس کے لئے جو کر سکتا تھا' وہ کیا۔لیکن قوی امکان ہے کہ کوئی مجھے دیکھ لے اور ہاشم کو بتا دے۔سو میں نے آپ کے ساتھ جانے کو ترجیح دی' کیونکہ آپ کا عملہ ضرور آپ کے والد کو بتائے گا اور میرے حصے کا آدھا کام وہ کریں گے۔''

''اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ بابا ہاشم سے اس بات کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے؟''

''کیونکہ آپ میرے ساتھ ہیں۔وہ آپ کو دو دشمنوں کی فائر لائن کے درمیان نہیں کھڑا کرنا چاہیں گے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔کیپ نے اس کی آنکھوں پہ اندھیرا سا کیا ہوا تھا۔

''یعنی....'' آبی متحیر رہ گئی۔''آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔''

''جی' میں آپ کو استعمال کر رہا ہوں۔'' وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

آبی کو پھر بھی برا نہیں لگا۔کہنی سیٹ کے ہتھ پہ جمائے' ہتھیلی پہ چہرہ گرائے' اس کو دیکھتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔''میرا خیال تھا ہم دوستوں کی طرح ساتھ جا رہے ہیں۔''

''ہم دوست نہیں ہیں آبدار۔''

''آپ مجھے آبی کہہ سکتے ہیں۔''

''او کے!'' فارس نے سر کو خم دیا اور بات دہرائی۔''ہم دوست نہیں ہیں مِس عبید۔''

''میں آپ کے ذاتی مسئلے میں آپ کی مدد کر رہی ہوں' پھر بھی ہم...''

''یہ ''ذاتی'' نہیں ہے میرے لئے۔'' اس نے سنجیدگی سے چہرہ آبدار کی طرف موڑا۔''یہ میرے لئے ''کام'' ہے۔مجھے کچھ کام کرنے ہیں واپس جانے سے پہلے' اور....'' وہ رک گیا۔

''کدھر واپس جانے سے پہلے؟'' وہ چونکی۔چہرہ ہتھیلی سے اٹھایا اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''جیل واپس جانے سے پہلے۔''

آبی دھک سے رہ گئی۔''آپ دوبارہ جیل کیوں جائیں گے؟'' فارس نے کافی دیر جواب نہیں دیا' لیکن جب وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی تو وہ قدرے نرمی سے بتانے لگا۔

''جب چار سال کی قید کاٹ کر نکلا تھا تو میرے پاس ایک پلان تھا' سب اسی کے مطابق کر رہا ہوں۔ یہ میرا ''کام'' ہے۔''ورک'' ہے۔''پرسنل'' نہیں ہے۔اور اس کا انجام ایک ہی طرح سے ہوگا۔ مجھے واپس جیل جانا ہے ان جرائم کے لئے جو میں نے ابھی کرنے ہیں۔مگر اس سے پہلے' مجھے اپنی فیملی کو محفوظ کرنا ہے' اور سعدی کو واپس لانا ہے۔''

آبدار چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔''پھر''ذاتی'' کیا ہے آپ کے لئے؟ کیا آپ اپنے لئے نہیں جیتے؟''

''میری ایک بیوی ہے جس سے میں جھوٹ بول کر آیا ہوں' میری ایک بھانجی ہے جس سے میں بات کیے بنا آیا ہوں۔ میرا ایک دوست ہے جس سے لڑا ہوں میں کل رات۔مگر ذاتیات میں آپ سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا اس لئے ہم اس طرف نہیں جائیں گے۔'' اس نے حد بندی واضح کی۔آبی بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

''اسی لئے مسز زمر اور آپ کی ڈائیورس ہونے جا رہی ہے۔(فارس نے چونک کر اسے دیکھا)۔آپ آخر میں جیل جانا چاہتے ہیں' اس لئے ان کو آزاد کر دیں گے۔حیران مت ہوں' مجھے مسز کاردار نے بتایا تھا۔''

فارس نے خاموشی سے سر کو اثبات میں خم دیا۔

''کون سا جرم ہے جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔یہ ذاتی تو نہیں ہے''ورک'' ہے نا' اس لئے بتا دیں۔''

جہاز کے اندر ایک دم ڈھیر سارا سناٹا اتر آیا۔

''میں نے دو قتل کرنے ہیں۔''

آبی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرلہر اترتی محسوس ہوئی۔

''تو ابھی تک کیے کیوں نہیں؟''

''پہلے ان کو تقسیم کرنا ہے' پھر توڑنا ہے' پھر مارنا ہے۔یہ شروع دن سے میرا ہدف تھا۔'' اس کی آواز ہلکی تھی۔

''اور پھر آپ گرفتاری دے دیں گے؟'' اس نے اداسی سے پوچھا۔''لیکن اس کے علاوہ بھی تو کوئی راستہ ہو سکتا ہے۔آپ ملک سے باہر بھاگ سکتے ہیں نا اور....''

''اپنے جرائم کی سزا بھگتنا چاہتا ہوں میں۔فرار نہیں چاہتا ان سے۔''

آبدار نے گہری سانس لی۔''تو میں آپ کی کیا ہوں؟ دوست نہیں ہوں' تو کیا پارٹنر ان کرائم ہوں؟''

اس بات پہ وہ مسکرایا۔جیسے کسی کو یاد کر کے مسکرایا ہو۔''میری پارٹنر ان کرائم ایک ہی ہے' اس کی جگہ میں کسی کو نہیں دے سکتا۔''

''مگر اس سے جھوٹ بول کر آئے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے پلان کا انجام بھی ڈسکس نہیں کیا آپ نے۔سو وہ آپ کی بیوی ہو سکتی ہے' آپ کی پارٹنر ہو سکتی ہے' لیکن....'' آبی کی سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔وہ آگے کو ہوئی' اور مسکرا کر اسی فاتحانہ انداز میں بولی۔''آپ کو ماننا پڑے گا کہ آپ کی ورک وائف آبدار عبید ہی ہے۔''

اس بات پہ وہ ہلکا سا ہنس دیا اور پھر سر کو اثبات میں دو تین دفعہ ہلایا۔''او کے۔آپ میری ورک وائف ہیں۔''

''جسے آپ استعمال کر رہے ہیں۔'' مصنوعی خفگی سے اس نے گلہ کیا۔

''بالکل' کیونکہ میں بدلے میں آپ کو کچھ دوں گا' جو کبھی آپ لوگوں کو ہپناٹائز کر کے ڈھونڈتی ہیں' کبھی فرانزک والوں کے ساتھ

کام کر کے مجرموں کے انٹرویوز کر کے تلاش کرتی ہیں۔کبھی وہ چیز آپ جانوروں اور پرندوں کی فوج جمع کر کے حاصل کرنا چاہتی ہیں' کبھی لوگوں کے NDE سن کر۔''

آبدار نے حیرت بھری دلچسپی سے اسے دیکھا۔''اور وہ کیا ہے جو آپ مجھے دیں گے؟''

فارس نے ذرا سا مسکرا کر ابرو اچکائے۔''ایک دلچسپ ایڈونچر!''

آبدار کا دورانِ خون ایک دم تیزی سے بڑھا' اس کے گال دہک گئے اور آنکھیں چمک اٹھیں۔''پھر ٹھیک ہے!'' وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔

فارس پھر سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگ گیا۔

.....❖❖❖.....

تو بھی کسی کے باب میں عہد شکن ہے غالباً ..... میں نے بھی ایک شخص کا قرض ادا نہیں کیا

فوڈلی ایور آفٹر کے بالائی ہال میں سورج کی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔زمر کونے والی میز پہ موٹی کتاب رکھے اس میں سے نوٹس بنا رہی تھی۔گاہے بگاہے موبائل پہ نظر ڈالتی جو صبح فارس کے جانے کے بعد سے ابھی تک اس کے نام سے روشن نہیں ہوا تھا۔(کیا آدمی گھر اطلاع نہیں دے سکتا؟ یہ کیا کہ ایک میسیج کر دیا پہنچنے کا۔وہ بھی فیس بک پہ۔کال نہیں کر سکتا تھا کیا؟) وہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی' پھر ایک دم زور سے قلم بند کیا اور فون اٹھا لیا۔(ڈاکٹر کے ساتھ کیا بات ہوئی' تفصیل ہی نہیں بتائی۔وہی پوچھ لوں۔) جواز گھڑ کر اس نے کال ملائی۔گھنٹی جانے لگی' مگر....جواب ندارد۔

اکتا کر اس نے فون پرے ڈال دیا۔تبھی کسی نے دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا۔زمر نے مصروف سے انداز میں سر اٹھایا مگر ایک دم ٹھہر گئی۔ چوکھٹ میں نوشیرواں کھڑا تھا۔ویسٹ اورٹائی میں ملبوس' بالکل تیار سا' وہ متذبذب لگ رہا تھا۔

''آیئے....'' زمر نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے کہا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سامنے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ' ڈی اے؟''

زمر نے کہنیاں میز پہ جمائے' سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میں ڈی اے نہیں تھی' ڈی پی تھی۔مجھے امریکی فلموں کے سے انداز میں مخاطب....'' ضبط سے گہری سانس لی۔''کر سکتے ہیں آپ۔خیر کہیے۔کیسے آنا ہوا؟''

شیروا اپنی فرنچ کو دو ناخنوں سے کھجاتے' نگاہیں اس پہ جمائے' سوچ سوچ کر کہنے لگا۔

''ایک مشورہ چاہیے تھا۔لیگل ایڈوائس۔''

''میں سن رہی ہوں۔''

''مجھے...کسی بہت اچھے اور بااعتماد وکیل کا بتائیں جو کارپوریٹ کیسز اچھے سے ڈیل کر سکے۔''

'ہاشم کاردار!'' وہ سہولت سے بولی۔

نوشیرواں کی آنکھوں میں بے چینی اور ناگواری ایک ساتھ ابھریں۔''کوئی اور....''

زمر نے ''اوہ'' والے انداز میں ابرو اٹھائے۔''یعنی آپ اس معاملے کو ہاشم سے خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔''

''ان سے خفیہ کیوں رکھوں گا' وہ میرے بھائی ہیں' بس ان کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے پہلو بدلا۔انداز دفاعی تھا۔

''اوکے۔'' زمر نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور چند نام لکھنے لگی۔''یہ بیس افراد ہیں' مگر یہ آپ کا فون رکھتے ہی ہاشم کو کال کر کے بتائیں

گے۔آپ کوکوئی ایسا ماہر وکیل نہیں ملے گا جن کو میں جانتی ہوں اور جو ہاشم کو نہ بتائے۔"

"کیا آپ بھی ہاشم کو بتائیں گی؟"

زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔اور پھر قلم بند کر دیا۔"آپ کو کس قسم کا کام ہے نوشیرواں؟"

"میں اپنی کمپنی میں پچاس فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔25 ہاشم بھائی کے اور 25 ہارون انکل کے ہیں۔میں چاہتا ہوں وہ باقی کے پچاس بھی میرے پاس آجائیں۔اگر میرا وکیل کوئی ایسا چکر چلائے' اور کمپنی کے بائی لاز کے دو چار جھول تو میرے بھی ذہن میں ہیں' اور..."

"آپ ہاشم کو سزا دینا چاہتے ہیں؟" نوشیرواں ٹھہر گیا۔زمر پہ نگاہیں جمائے' اس نے تھوک نگلی۔آنکھوں میں بہت سے جذبات ابھر کر ڈوبے۔مگر خاموش رہا۔

"آپ کسی بات پہ ہاشم سے ناراض ہیں' اور اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔" وہ ٹیک لگا کر بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی' اسے دیکھ کر سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔شیر وچپ رہا۔

"آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے۔جس بھی طریقے سے 50 فیصد شیئرز لے لیں آپ' ہاشم اگلے ہی دن اس کاغذ کو بھک سے اڑا دے گا۔شیئرز حاصل کر کے آپ کو کیا ملے گا؟ پیسے کے لئے تو آپ یہ نہیں کر رہے۔اندرونی تسکین کے لئے کر رہے ہیں۔تو یہ نہیں کرنا چاہیے آپ کو۔بلکہ اس کی بجائے...آپ وہ کریں جو ہاشم نہیں چاہتا۔مگر وہ کچھ نہ کر سکے۔آپ شیئرز "لینے" کی بجائے شیئرز "دے" دیں۔"

نوشیرواں کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔وہ ذرا آگے کو ہوا۔

"کدھر دے دوں؟"

زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔"فری کنسلیشن کے پانچ منٹ گزر چکے ہیں۔اب میں اگلی بات صرف اس صورت میں بتا سکتی ہوں جب آپ مجھے ہائر کریں۔سو....آپ مجھے ہائر کر رہے ہیں یا نہیں؟" نرمی سے اس نے پوچھا۔نوشیرواں کی آنکھیں چمکیں اور وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔

.....❖❖❖.....

یہ عجب قیامتیں ہیں تیری رہگزر میں گزراں ..... نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم' نہ ہوا کہ جی اٹھیں ہم

ائیر پورٹ کے احاطے سے باہر نکلتے ہی آبدار نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ میرے اپارٹمنٹ کی چابی ہے۔ہمارے ہوٹل سے کافی دور ہے۔اس کے اندر اس کا ایڈریس اور چابیاں موجود ہیں۔آپ جب تک چاہیں ادھر رہ سکتے ہیں۔"

فارس نے کیپ ماتھے پہ مزید ترچھی کر کے جھکاتے وہ پیکٹ پکڑا۔

"اور کیوں لوں گا میں آپ کا فلیٹ؟"

"کیونکہ آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔فارس نے بے اختیار مسکراہٹ دبائی اور سر کو خم دیا۔"سو تو ہے۔جاتے وقت واپس کر جاؤں گا۔" اور پیکٹ جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"ہم دوبارہ ملیں گے فارس غازی!" وہ چیلنج کرنے والے انداز میں کہہ کر مڑ گئی۔اس کی کار دور سڑک پہ آ رکی تھی۔

وہ وہاں سے سیدھا آبدار کے فلیٹ آیا تھا۔پوش علاقے میں واقع ایک خوبصورت عمارت میں بنا وہ فلیٹ اندر سے بھی بہت خوبصورت تھا۔چکنی چکنی سفید دیواریں' نرم رنگوں کے پردے' قیمتی مگر ماڈرن فرنیچر۔وہ بنا آرام کیے' سب سے پہلے لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا اور اپنے جی پی ایس پین کا سگنل چیک کیا۔وہ ابھی تک اس پارک میں تھا۔فارس نے راستے سے خریدا نقشہ نکالا اور اسے پھیلا کر سامنے رکھا۔وہ

پارک یہاں سے پچاس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔وہ نقشے پہ مختلف نکات پہ نشان لگاتا' آگے کا لائحہ عمل تیار کرتا رہا۔وہ مصروف ہو گیا تھا۔زمر یا گھر والوں کو کال کرنا اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔یاد تھا تو صرف سعدی۔

نوشیرواں کو ''رخصت'' کر کے زمر نیچے آئی تو ریسٹورانٹ کے باہر پھولوں والا لڑکا گل خان بیٹھا تھا۔اپنے پھولوں کے اسٹال پہ پانی کا چھڑکاؤ کرتا وہ مصروف نظر آ رہا تھا۔

''السلامُ علیکم گل خان!'' نرم ٹھنڈے انداز میں پکارا تو وہ چونکا' اسے دیکھا اور شرما کر مسکراتے ہوئے سلام کیا۔پھر جلدی سے بولا۔

''باجی یہ جو لڑکا ابھی یہاں سے نکلا تھا' یہ وہی تھا' سفید گاڑی والا جس کا سعدی بھائی سے....'' گل خان نے مزید سراغرسانی کے جوہر دکھانے چاہے مگر زمر نے ''مجھے پتہ ہے'' کہہ کر بات ختم کر دی۔(ہاشم نے سعدی کو گولیاں مروا دیں' یہ معلوم ہو جانے کے بعد یہ سوچنا کہ شیرو کا اس سے زبانی کلامی کبھی کوئی جھگڑا ہوا تھا بے معنی سا لگتا تھا۔)

وہ گھر آئی تو لاؤنج میں معمول کی چہل پہل لگی تھی۔اس گھر کا لاؤنج کافی کھلا اور بڑا تھا۔کچن یہاں سے نہیں دکھائی دیتا تھا۔بغلی گیلری میں آگے بڑھو تو پھر آتا تھا۔لاؤنج کے ایک طرف ڈائننگ ہال تھا۔دونوں کے درمیان میں شیشے کے سلائیڈنگ دروازے تھے۔(ان کے پردے ابھی بنوانے تھے۔)بڑی ایل ای ڈی اسکرین دیوار پہ نصب تھی اور ندرت صوفے پہ بیٹھیں' عینک لگائے' موبائل کو دیکھ کر حنین کو پکار رہی تھیں۔

''حنین' ذرا میرا جی میل تو دیکھو' بار بار بار تنگ کر رہا ہے۔'' مگر نقار خانے میں امی کی کون سنتا ہے؟ حنہ ڈائننگ روم میں کرسی پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ میز پہ رکھے کھٹ کھٹ کام کیے جا رہی تھی۔

''زمر' فارس نے پہنچ کر اطلاع دی؟'' ابا نے اسے پکارا تو اس نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ ''جی'' کہہ کر ان کی تسلی کرا دی۔

''اس سے کہنا ویک اینڈ پہ گھر آ جائے۔مگر بار بار فلائٹس کا خرچہ....اونہوں۔'' ندرت نے اپنی ہی بات کی خود ہی تردید کر دی۔

زمر حنہ کے پاس آ گئی اور شیشے کا دروازہ بند کر دیا۔پھر اس کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور بوری ہو کر اسے دیکھا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' حنین کو جیسے کسی سامع کی تلاش تھی۔جوش سے شروع ہو گئی۔

''اس فلیش میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے' مگر یاد ہے' سونیا کی سالگرہ کا کیک؟'' اس نے پچھلے سال کی سیاہ سنہری سالگرہ یاد دلائی۔

''باربی کیک تھا۔پنک باربی۔''

جواباً حنہ نے اسکرین پہ چند تصاویر نکالیں۔سونی کی سالگرہ کی تصاویر۔

''یہ باربی لگتی ہے' مگر یہ باربی نہیں ہے۔اس کی شکل غور سے دیکھیں۔یہ آنا Anna ہے۔پرنسس آنا۔سونی کو فروزن پسند ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''زمر کون سا بچہ ہے جس کو فروزن نہیں پسند؟ مگر سونی اپنے باپ کی طرح (دل میں کچھ چبھا) بہت انا والی ہے۔وہ کھلم کھلا یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ وہ بھیڑ چال کا حصہ بن کر' عام لوگوں کی طرح کسی فلم کی دیوانی ہے۔وہ مختلف ہے۔اس نے آنا اور باربی کو مکس کر کے ایک نئی ڈول بنائی۔یہ بات ہم نے نہیں نوٹس کی تھی' مگر سونی کے دوست بچوں نے نوٹس کی ہو گی اور اسکی واہ واہ ہوئی ہو گی۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔

''فلیش' حنہ!'' زمر نے یاد دلایا۔

''ہاں وہی۔اس فلیش میں صرف فروزن ہے۔یہ فلیش ہاشم کے ڈیٹا سے بھری ہونی چاہیے تھی۔ہے نا؟ مگر فلیش کو خالی دیکھ کر میں سمجھی یہ غلط فلیش ہے۔جبکہ ایسا نہیں ہے۔اس میں ہاشم کا وہی ڈیٹا تھا۔فروزن بھی اسی کے ڈیٹا میں ہو گی' سونی نے ڈاؤن لوڈ کی ہو گی نا۔

اس فلیش میں زمر' ہاشم کی ساری فائلز موجود تھیں مگر کسی نے فروزن کے سوا سب کچھ مٹا دیا۔''

''مگر کس نے!'' زمر چونکی تھی۔

''یہ تو سعدی بھائی ہی بتا سکتا تھا۔'' اس نے گہری آہ بھری۔ یہ ایسا ذکر تھا جس پہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ باہر سے امی کی پکار پھر سے شروع ہو گئی۔ ''حنہ.... میرا میل باکس فل ہو رہا ہے۔''

''ایک تو امیوں کو اسمارٹ فون نہ لے کر دے بندہ۔ مصیبت میں اولاد آ جاتی ہے۔'' جل کر بولی۔ پھر چہرہ اونچا کر کے آواز لگائی۔ ''میں بزی ہوں امی۔ رات میں دیکھ دوں گی۔'' پھر وہ زمر کی طرف گھومی اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ اعلان کیا۔ ''مجھے وہ فائلز چاہیے ہیں۔ میں ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے لگی ہوں۔ اور مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔'' زمر خاموش رہی۔ وہ اس کے ساتھ تھی۔ خاور نہیں تھا۔ اب ڈر کیسا؟

❖❖❖

اچھی لگتی نہیں اس درجہ شناسائی ...... ہاتھ ہاتھوں سے ملاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

کولمبو پہ شام نیلی اور بھیگی بھیگی سے سائے پھیلانے لگی۔ ایسے میں اس بلند بالا عمارت سے فارس نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھورے سویٹر اور نیلی جینز میں ملبوس' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ سنجیدہ سی سنہری آنکھوں سے سامنے دیکھتا' چلتا جا رہا تھا جب قریبی کیفے کا گلاس ڈور کھلا اور اندر سے آبدار نکلتی دکھائی دی۔ نیلی جینز پہ سفید گھٹنوں تک آتا کوٹ پہنے' اس کے سیدھے سرخ بال کمر پہ گر رہے تھے' اور سر کے اوپر سرخ ریشمی رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں چمک لئے' وہ شرارت سے سرخ لب کاٹتی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آملی۔ فارس رک گیا اور قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

''آپ ادھر کیا کر رہی ہیں مِس آبدار؟''

''آپ کو اپنے ذہن میں آئی باتیں شیئر کرنے کے لئے کسی کی ضرورت تو ہو گی۔'' اس نے چہک کر ورک وائف کا مقصد یاد دلایا۔

''میں اکیلا زیادہ آرام دہ رہتا ہوں۔''

''مگر زیادہ خوش نہیں۔'' فارس نے قدرے برہمی سے سر جھٹکا اور تیز تیز چلنے لگا۔

''تھینک یو۔ میرا دل رکھنے کے لیے۔'' وہ اب ہنستی مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ فٹ پاتھ پہ چلتی جا رہی تھی' قریب سے گزرتے بچے کے ماتھے پہ ہاتھ پھیر کر اس کے بال بکھیرے۔ پھر ذرا آگے ایک ننھی بچی کی پونی پیچھے سے کھینچی اور اس سے پہلے کہ وہ مڑتی' آبی جلدی سے آگے نکل گئی۔

''آپ کو بچے اچھے لگتے ہیں' فارس؟'' وہ پیچھے مڑ مڑ کر ایک شرارتی نظر اس بچی پہ ڈال کر کہہ رہی تھی۔ فارس نے ایک دم رک کر اس کو دیکھا۔ وہ بظاہر مگن سی کہہ رہی تھی۔

''آپ کا اپنی فیملی کے لیے دل نہیں چاہتا کیا؟ مگر... اوہ... مسز زمر تو.... خیر....'' آبی نے سادگی اور معصومیت سے شانے اچکائے اور ایک کیب کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا' جیسے اس کی بات کو سوچنے لگا ہو۔

''جب آپ کو معلوم ہے کہ میں اور مسز زمر الگ ہو جائیں گے تو ایسی بات کا مقصد؟''

''ان سے الگ ہونے کے بعد آپ کی زندگی ختم تو نہیں ہو جائے گی نا؟ کبھی تو آپ کو اپنے ذات کے لیے بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''آپ میرے ساتھ نہیں آ رہیں۔ واپس جایئے۔'' قدرے پست مگر ڈسٹرب آواز میں اسے ٹوکتا وہ رکی ہوئی کیب کی طرف بڑھا۔

کیب ڈرائیور اب گردن نکال کر اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ آگے کو جھکا اور مطلوبہ پارک کا نام لیا۔ ڈرائیور نے ایک نظر سر سے

پیر تک اسے دیکھا' اور پھر اثبات کا اشارہ کرتے ہوئے کرایہ بتایا۔

''اتنے پیسوں میں تو ہم پورا کولمبو گھوم لیں۔ فارنر جان کر لوٹو نہیں۔'' آبی چمک کر کہتی آگے آئی۔ ''تمہارا میٹر دیکھ سکتی ہوں میں اور اسٹینڈرڈ کرایہ بھی معلوم ہے مجھے۔'' پھر معصومیت سے فارس کو دیکھا۔ ''اب بھی ساتھ نہیں لے کر جائیں گے کیا؟'' اور کیب کا دروازہ کھول لیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ تو ہارون عبید اور ہاشم کاردار کو آمنے سامنے لانا چاہ رہا تھا مگر یہ اچھی بلا پیچھے پڑ گئی تھی۔

وہ پارک کافی بڑا اور خوبصورت تھا۔ وہاں غیر ملکی سیاحوں کی بہتات تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو فارس نے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ پارک کے وسط میں پین کا سگنل آ رہا تھا۔

''اتنے بڑے پارک میں ہم کہاں ڈھونڈیں گے اس پین کو؟'' آبی کو مایوسی ہوئی۔ وہ خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھتا آیا' یہاں تک کہ اس کے قدم رک گئے سگنل کی جگہ اس کے اپنے فون سے قریباً چند میٹر دور تھی۔ اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر سامنے دیکھا۔

سبزہ زار پہ.....چند میٹر دور ایک ٹکٹ کی کھڑکی تھی اور اندر ایک باوردی ملازم کھڑا لوگوں کو ٹکٹ دے رہا تھا۔

''وہ پین اس ٹکٹ کیبن میں ہے۔ آؤ۔'' وہ اسے اشارہ کرتا گھاس پہ آگے آیا۔

کیبن کے اندر کھڑا ملازم سر جھکائے' کمپیوٹر پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ سامنے قطار لگی تھی۔ وہ دونوں بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ آبی اس کے آگے تھی اور وہ پیچھے تھا۔ ان کی باری آئی تو آبی اس سے سنہالی میں ٹکٹ کا پوچھنے لگی۔ فارس نے گردن ذرا اٹھا کر اندر جھانکا۔ شیشے کی دیوار سے اندر کا منظر واضح تھا۔ بڑی سی ڈسٹ بن میں فاسٹ فوڈ کے چند خالی ڈبے رکھے تھے۔ ٹکٹ کلرک کے جوتوں پہ سوکھا ہوا کیچڑ لگا تھا اور وہ جمائی روکتا کمپیوٹر پہ کچھ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی سنہری قلم کاؤنٹر پہ رکھا تھا۔ پین دیکھ کر آبی کی آنکھیں چمکیں۔ مگر.....

''چلو۔ جلدی۔'' اس نے پیچھے سے آہستہ سے سرگوشی کی۔ آواز میں بے چینی تھی۔ آبی نے جلدی سے وہ ٹکٹ تھامے اور پھر متحیر' متعجب سی قطار سے نکلی۔

''پھینکو ان ٹکٹس کو اور یہاں سے نکلو۔'' وہ غیر محسوس انداز میں رفتار بڑھاتا کہہ رہا تھا۔

''مگر کیوں؟ وہ پین اس کے پاس تھا' اس سے پوچھو تو سہی کہ....''

''کوئی فائدہ نہیں۔ سعدی ادھر نہیں ہے۔'' وہ بمشکل اس کی رفتار کا ساتھ دے پا رہی تھی۔ جب وہ باہر آ گئے تو اس نے پھولی سانس کے ساتھ خفگی سے پوچھا۔

''وہ پین سامنے تھا' آپ نے....''

فارس اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''پارک کی انٹری کے قریب جگہ کچی ہے' چند کھڈے ہیں' جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ آخری دفعہ بارش کب ہوئی تھی؟ ماہِ کامل کی رات سے اگلی صبح۔ سعدی کے بھاگنے سے اگلی صبح۔ اس صبح یہ ملازم یہاں آیا تھا۔ وہ کیچڑ کے پاس سے گزرا تھا' اب وہ کیچڑ سوکھ چکا ہے مگر اس کے جوتے اب بھی میلے ہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ دو دن سے گھر نہیں گیا۔ وہ صبح شام ادھر ہی بیٹھا رہتا ہے۔ کھانا کھانے بھی نہیں جاتا۔ فاسٹ فوڈ منگواتا ہے' وہی کھاتا ہے۔ ایک ٹکٹ کلرک فاسٹ فوڈ وہ بھی اتنا سارا کیسے افورڈ کر سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ کوئی اس کو کھانا پہنچا دیتا ہے' تاکہ وہ یہاں بیٹھا رہے اور اگر کوئی سعدی کے پین کی تلاش میں آئے تو وہ اس کو پکڑ لے۔''

''مگر ہو سکتا ہے سعدی نے اسے یہاں بٹھایا ہو۔''

''سعدی اس ملک میں پہلی دفعہ آیا ہے' رہائی کی اگلی صبح ہی اس کے اتنے کانٹیکٹس کیسے بن سکتے ہیں؟'' وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا

ما۔ ''کسی کے پاس سعدی کا پین ہے اور وہ اس میں موجود جی پی ایس ٹریسر سے واقف ہے' اس لئے وہ اس کو bait کی طرح لگا کر' اس شخص کا انتظار کر رہا ہے جس نے اسے وہ پین بھیجا تھا۔''

''اوہ واؤ!'' وہ ایک دم چہکی' پھر شکل پہ مسکینیت طاری کی۔ ''کیا میں اتنے مزے کے ایڈونچر پہ تھوڑا خوش ہو سکتی ہوں؟''

''نہیں۔آپ واپس جا رہی ہیں۔'' وہ سڑک پہ آگے آیا اور اس کے لئے ایک ٹک ٹک روکنے لگا۔

''مگر....'' وہ احتجاج کرنے لگی۔

''اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں بغیر بتائے آپ کا فلیٹ چھوڑ کر روپوش نہ ہو جاؤں تو خاموش رہیں۔''

وہ منہ بسورے کھڑی تھی۔ٹک ٹک ساتھ آکر رکا تو فارس نے اشارہ کیا۔

''اب جایئے۔'' پھر آواز میں نرمی پیدا کی۔ ''صبح ملیں گے۔''

اس بات پہ وہ ہلکا سا مسکرائی اور اندر بیٹھ گئی۔پھر اسے ہاتھ ہلایا۔ ''صبح! پکا!''

''پکا۔'' اس کے انداز پہ وہ بمشکل مسکراہٹ روک پایا۔چلو' جو بھی تھا۔وہ ایک معصوم اور پیاری لڑکی تھی۔

وہ چلی گئی تو گویا ایک بوجھ سا اس کے کندھوں سے سرکا۔واپس پارک میں آیا اور ایک کونے میں آبیٹھا۔درختوں کے جھرمٹ میں اس جگہ سے دور ٹکٹ کی کھڑکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔نیلگوں شام بھی آہستہ آہستہ گہری ہونے لگی تھی۔

فارس غازی انتظار کرنے لگا۔ایک طویل اور کڑا انتظار۔

❖❖❖

یہ لفظ لفظ محبت کی یورشیں بھی فریب ...... یہ زخم زخم مسیحائیاں بھی جھوٹی ہیں

کینڈی پہاڑی شہر تھا' جیسے مری۔سرسبز پہاڑیاں' نیلا سرمئی بادلوں سے ڈھکا آسمان۔خوبصورت موسم۔اور چائے کے باغات کی سوندھی سوندھی مہک۔سیاح دور دور سے کینڈی کو انجوائے کرنے آتے تھے۔وہ نہیں کر رہا تھا۔وہ سڑک کنارے بنے اوپن ائیر کیفے میں بیٹھا تھا۔عینک پہنے' برساتی کے کالر کھڑے کیے' وہ گردن گھما کر ادھر ادھر گہری نظر ڈالتا پھر کافی کا مگ لبوں سے لگا لیتا۔سیاہ بیگ اس کے قدموں کے ساتھ رکھا تھا۔

بائیں ہاتھ ریسٹورانٹس اور شاپس کی قطار تھی۔ابھی صبح تازہ تھی۔شاپس اور ریسٹورانٹ مالکان آکر اپنی اپنی دکانیں کھول رہے تھے۔ایسے میں وہ ہر کیفے کے مالک یا اسے کھولنے والے ورکر کو آنکھوں سے اسکین کرتا' پھر رد کر دیتا۔کوئی شاطر لگتا تھا' کوئی مکار۔کوئی خطرناک۔کوئی بے حد ٹھس۔

تھوڑی دیر بعد ایک درمیانی عمر کی سنہالی عورت ایک کافی شاپ کا لاک کھولتی نظر آئی۔ساتھ ایک ننھا لڑکا بھی تھا جو مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ روہانسی ہوئی اسے ڈانٹ رہی تھی۔سعدی کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔وہ وہاں سے اٹھ آیا۔اب وہ ذرا دور جا کر ایک اوپن کیفے کے باہر بیٹھ گیا۔چہرے کے آگے ایک میگزین پھیلا لیا۔اس کی نظریں اسی کافی شاپ پہ تھیں۔

کوئی گھنٹے بھر بعد وہ عورت شاپ سے باہر نکلی۔بچہ اس کے ساتھ تھا اور ہاتھ میں سامان کا تھیلا بھی تھا اور ایک لسٹ بھی۔وہ الجھی ہوئی سی' خریداری کرنے جا رہی تھی۔سعدی تیزی سے اٹھا اور فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔وہ رکتی تو وہ بھی رک کر مڑ جاتا' کہیں کسی اسٹال پہ کچھ دیکھنے لگ جاتا۔

دوپہر کینڈی کے پہاڑوں پہ پگھلنے لگی۔بادلوں کی اوٹ سے سنہری کرنیں جھانکنے لگیں۔اب وہ اس کا پیچھا کرتے مارکیٹ کے وسط میں آچکا تھا۔یہاں سے وہ مڑ گیا اور دو گلیاں عبور کر کے ایک تیسری گلی میں آیا۔ادھر کونے میں ایک لڑکا کھڑا' بہت رازداری سے اپنے مخصوص

گاہکوں کوایک طرف بلا کرانہیں منشیات کی پڑیاں بیچ رہا تھا۔وہ اسے گزشتہ شام ہی تاڑ چکا تھا۔

اب سیدھا اس کے قریب گیا جوادھرادھر دیکھتا کسی گاہک کا متلاشی تھا۔سعدی نے اسے آنکھوں سے اشارہ کیا اور دوسری گلی کی جانب قدم بڑھا دیے۔منشیات فروش لڑکا' ذرا فاصلہ رکھ کر پیچھے آنے لگا۔جیسے ہی وہ دوسری گلی میں مڑے' سعدی گھوم کر اس کی طرف آیا اور اسے کالر سے پکڑ کر دیوار سے لگایا۔پھر رکھ کر ایک مکا اس کے منہ پہ جڑا۔

''نکڑ پہ کھڑے پولیس والے کے حوالے کردوں گا تمہیں اگر آواز نکالی تو۔'' پستول اس کی پسلی میں چبھوتے وہ غرایا تھا۔مخنی سے لڑکے نے گھبرا کر ہاتھ اٹھا دیے۔وہ خود بھی نشے کا عادی لگتا تھا۔

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔'' جلدی سے کہنے لگا۔

''پیسے میں تمہیں دوں گا' بدلے میں میرا ایک کام کرو گے۔نہیں تو پولیس والے کو بلاتا ہوں میں۔'' اس کو دیوار سے لگائے' وہ غرایا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اسی گلی میں آ کھڑا ہوا تھا جہاں وہ عورت اب بھی ایک دکان سے چیزیں خرید رہی تھی۔وہ قریبی دکان پہ کھڑا ہو کر اخباریں کنگھالنے لگا۔اسی لمحے وہ منشیات فروش سنہالی لڑکا اس گلی میں داخل ہوا۔اب کے اس نے منہ پہ رومال باندھ رکھا تھا۔وہ سیدھا اس عورت تک گیا' اور ساتھ سے گزرتے ہوئے اس کا پرس اچکا اور ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔عورت پہلے لمحے تو شاک میں رہ گئی' پھر وہ چلائی۔

''میرا پرس....''

سعدی بجلی کی سی تیزی سے لڑکے کے پیچھے بھاگا۔راستے میں اس نے جان بوجھ کر چند اسٹال باز و مار کر گرائے۔گلی میں شور وغل برپا ہو گیا۔کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر بھاگے مگر سعدی نے گلی کے کونے میں اس لڑکے کو جا لیا اور دبوچ کر نیچے گرایا۔پھر پرس واپس جھپٹا۔لمحے بھر کو اپنی گرفت ڈھیلی کی اور لڑکے نے ہاتھ پکڑے ننھا چاقو اس کے بازو میں اتار دیا۔سعدی بے اختیار نیچے کو لڑھکا۔لڑکا دم دبا کر بھاگ چکا تھا۔

وہ عورت دوڑتی ہوئی اس تک آئی تھی' بچہ بھی پیچھے تھا۔سعدی نے خون بہاتے بازو کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے' اٹھتے ہوئے پرس اس کو تھمایا۔عورت نے پرس پکڑتے ساتھ ہی بچے کو تھمایا' اور لپک کر اس کا خون سے سرخ ہوتا گیلا بازو پکڑا۔

''آپ کا پرس۔'' سعدی نے نقاہت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہو کر کہا مگر وہ جیسے پرس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔فکرمندی سے کچھ کہنے لگی۔اس نے کھنکھار کر ''انگلش پلیز'' کہا۔

''اوہ....فارنر۔'' پھر ادھر ادھر دیکھا۔''چلو میں تمہیں ہاسپٹل لے چلوں۔''

''نہیں' اٹس اوکے' میں خود چلا جاؤں گا۔'' ساتھ ہی ہلکا سا کراہا۔اب مزید لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

''یہیں رکو' میں کار لاتی ہوں۔'' عورت بھاگتی ہوئی آگے کو گئی۔وہ قریب جمع ہوتے لوگوں سے بچنے کو چہرہ جھکائے' رخ موڑے کھڑا ہوا اور ایک طرف کو چلنے لگا جیسے دور جانا چاہ رہا ہو۔لوگ کچھ کہہ رہے تھے مگر اتنی سنہالی وہ نہیں سمجھتا تھا۔

عورت جلد ہی ٹیکسی لے آئی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔وہ لوگوں سے پوچھتی' اسے ڈھونڈتی دوسری گلی تک آئی جہاں وہ فرض شناش اور نیک دل انسان جو اس کا پرس بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا تھا' سر جھکائے' بازو کے زخم پہ اوپری جیکٹ لپیٹے چلتا جا رہا تھا۔اس عورت کا نام کامنی روپا سنگھی تھا اور اس کا دل اس طرح اس کو دیکھ کر بہت دکھا تھا۔وہ تیزی سے کار سے نکلی اور اس کو جا لیا۔

''میں نے تمہیں رکنے کو کہا تھا فارنر۔چلو میں تمہیں ہسپتال لے جاتی ہوں۔''

''میں خود چلا جاؤں گا' آپ کی ٹیکسی خراب ہو گی۔'' وہ چھوٹے بالوں اور عینک والا لڑکا مسکرا کر بولا تھا مگر کامنی نے خفگی سے اسے ڈپٹا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو' تم زخمی ہو' میری وجہ سے۔بس ہسپتال قریب ہی ہے۔''

''مجھے ہسپتال نہیں جانا۔میں زخم خود سی لوں گا۔''

اب کے کامنی چونکی۔اس کے انداز میں منت سی تھی۔

''اچھا ٹیکسی میں بیٹھو۔میں فرسٹ ایڈ کٹ لا کر تمہیں شاپ پہ لے جاتی ہوں۔'' اس نے اسے قائل کر لیا۔وہ لڑکا بدقت ٹیکسی میں بیٹھا۔ننھا بچہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ آ بیٹھا اور کامنی آگے۔

''پلیز....'' وہ پچھلی سیٹ کی پشت پہ سر گرائے' نقاہت سے آنکھیں موندے کہنے لگا تو کامنی نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔''مجھے ہسپتال کے اندر مت لے جایئے گا۔پولیس میرے پیچھے ہے۔میں گرفتار ہو جاؤں گا۔خود کو میری وجہ سے خطرے میں نہ ڈالیں۔''

سنہالی عورت ہکا بکا رہ گئی۔اور سعدی یوسف کو انسانوں کی اتنی پہچان تو تھی کہ بند آنکھوں کے باوجود وہ جان گیا تھا کہ تیر نشانے پہ لگا ہے۔

.....❖❖❖.....

وہ کون لوگ تھے ان کا پتہ تو کرنا تھا ..... مرے لہو میں نہا کر جنہیں نکھرنا تھا

بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اس صبح حنین بیٹھی' لیپ ٹاپ لگائے' ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔اس کی زنبیل میں بہت سے طریقے تھے جن کو ایک ایک کر کے وہ استعمال کر رہی تھی....

ادھر زمر یوسف کورٹ سے نکل کر' اپنی فائلز اور کاغذوں میں الجھی' پارکنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی جب اس کے اردگرد تین سوٹ میں ملبوس افراد آ کھڑے ہوئے تھے۔زمر نے سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائیں اور دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر ان کو دیکھا۔

''جی؟''

''مسز زمر!'' ایک نے ادب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔''ہارون عبید آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔اپنے آفس کے کانفرنس ہال نمبر ٹو میں۔آپ چاہیں تو ہم آپ کو لے جا سکتے ہیں۔'' ساتھ ہی ہارون کا آئی ڈی کارڈ اسکی طرف بڑھایا۔یہ ایک طرح کی ضمانت تھی۔

''نو تھینک یو۔میں خود آ جاؤں گی۔'' کارڈ پکڑ کر رکھائی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔البتہ دل...عجیب سے واہموں کا شکار ہو رہا تھا۔

جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نہیں جائے گی' تب ہی خود بخود کار کا رخ ان کے آفس کی طرف موڑ دیا۔پون گھنٹے بعد وہ ان کے کانفرنس روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔سفید لمبی قمیض اور سیاہ کوٹ پہنے' گھنگریالے بال جوڑے میں باندھے اور بھوری آنکھوں کو مشتبہ انداز میں سکوڑے' اس نے سامنے کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھے ہارون کو دیکھا۔

''مجھے یوں طلب کیا جانا پسند نہیں ہے' عبید صاحب!''

''مسز زمر' مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔آیئے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھے' اور سفید سرمئی بال جیل سے پیچھے کیے۔چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے' انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔وہ درزیدہ نگاہوں سے ان کو دیکھتی' سربراہی کرسی کے دائیں طرف دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ واپس بیٹھے اور شفقت سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں' شکریہ۔آپ بتایئے' میں کیا کر سکتی ہوں آپ کے لئے؟''

''آپ کا شوہر کہاں ہے مسز زمر' کیا آپ کو معلوم ہے؟''

زمر کے ابرو ناگواری سے بھنچے گئے۔''میں آپ کو کیوں بتاؤں اپنے شوہر کے بارے میں۔''

''میں نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں ہے' یہ پوچھا ہے کہ کیا آپ جانتی ہیں وہ کہاں ہیں؟''

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔ زمر کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔ ماہ کامل کی رات کی چاندنی برف کی سفیدی میں بدلنے لگی۔

"وہ کراچی گیا ہے جاب کے....."

"وہ کولمبو میں ہے میری بیٹی کے ساتھ۔ کل وہ میرے پرائیوٹ جیٹ پہ کولمبو گیا ہے۔"

زمر نے ضبط سے گود میں رکھی مٹھیاں بھینچ لیں۔ مگر چہرے کو بدقت نارمل رکھنا چاہا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ اس کی رنگت زرد پڑنے لگی ہے۔

"تو اس نے آپ کو نہیں بتایا؟" انہوں نے افسوس سے سر جھکا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بدقت کہہ پائی۔ دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

ہارون نے جواباً موبائل پہ چند بٹن دبائے اور اسکرین اس کے سامنے رکھی۔ زمر نے موبائل کو نہیں چھوا صرف نگاہ جھکا کر دیکھا۔ ائیر پورٹ میں وہ آبی کے سامنے کھڑا اس سے کوئی پیکٹ لے رہا تھا۔ کیپ کی وجہ سے شکل کم واضح تھی مگر وہ فارس تھا۔ وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ پیچھے ائیر پورٹ کا نام اور ارد گرد کا ماحول سب نظر آ رہا تھا۔

دل پہ ڈھیروں آنسو گرے۔ وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا۔ وہ اس کا گھر سے باہر رہنا... وہ اس کا راتوں کو دیر سے واپس آنا... وہ اس کی فون کالز... وہ جاب نہیں ڈھونڈ رہا تھا... وہ شروع سے ہاشم کے پیچھے تھا....

"پھر؟" بظاہر ابرو اچکائے۔ وہ بمشکل خود کو کمپوزڈ رکھے ہوئے تھی۔

"کیا آپ کو معلوم ہے وہ وہاں کیوں گیا ہے؟"

وہ ان کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے خاموش رہی۔

"ہمارا مہمان کچھ دن قبل ہماری میزبانی سے بھاگ گیا تھا۔ وہ اسی کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں' میں ہاشم کو نہیں پتہ چلنے دوں گا۔"

"ہاشم درمیان میں کہاں سے آیا؟ وہ اس کا کزن ہے۔" زمر کی آواز کانپی۔ نگاہیں اب بھی ہارون پہ جمی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر پیچھے ہوتے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"آپ کو معلوم ہے میں کیا بات کر رہا ہوں' فارس کو بھی معلوم ہے۔" زمر کی آنکھوں میں ایک دم ڈھیروں جذبات ایک ساتھ ابھرے۔ اور ان سارے جذبات نے اس کی آنکھوں کو سرخ گلابی سا کر دیا۔ وہ ذرا چونکے۔ "آپ کو لگا تھا وہ نہیں جانتا؟"

زمر گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔

"خیر میں نے یہاں آپ کو یہ بتانے کے لئے نہیں بلایا کہ وہ اتنے عرصے سے میری بیٹی کے ذریعے ہمارے مہمان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ میری بیٹی کے ساتھ کیوں ہے؟"

زمر نے چہرہ ان کی طرف موڑا تو آنکھیں خشک تھیں مگر سرخی مائل سی۔ "اپنے جاسوسوں سے پوچھ لیں۔" اور پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب مزید بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ انہوں نے محظوظ ہو کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو مسز کاردار آپ کی شادی کے بارے میں درست کہتی ہیں۔ آپ دونوں واقعی الگ ہونے جا رہے ہیں۔ مگر کب؟"

"یہ بھی آپ مسز کاردار سے پوچھ لیں۔" ایک برہم سی نظر ان پہ ڈالی کر وہ مڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"میرے اندازے درست ثابت کرنے کا شکریہ مسز زمر۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جلد دوبارہ ملیں گے۔ آپ کے بہت سے کام ایسے ہیں جو صرف میں سیدھے کر سکتا ہوں۔"

فلائٹس ہیں۔۔آگے کروانی پڑیں گی۔۔یا شاید کینسل۔۔''

وہ کہہ ہمدردی سے ہی رہی تھیں، مگر انداز میں کوئی عجلت تھی۔زمر بند آنکھوں سے سنے گئی۔

''دو شادیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔۔حماد کے تایا کے بیٹے کے فنکشنز بھی ساتھ ہی تھے۔ولیمہ تو ہم دے ہی اکٹھا رہے تھے۔اب ظاہر ہے یہ شادی تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی۔سجاد کے فنکشنز تو کل سے شروع ہو جائیں گے۔اب آپ تو جانتی ہیں ہماری بھی مجبوری ہے۔''

''سب کی مجبوریاں ہیں، میں جانتی ہوں۔۔''ندرت بولیں تو آواز میں پسپائی تھی۔

زمر آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔ندرت اب شاید ان کے لئے کوئی جوس نکالنے لگی تھیں مگر وہ منع کرنے لگیں۔

''حماد باہر انتظار کر رہا ہے، ایسا کرتے ہیں ہم وہیں بیٹھتے ہیں، اس کمرے میں تو مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔پتہ نہیں ہسپتالوں میں ایسی گھٹن کیوں ہوتی ہے!''

اور ان کی آواز دور ہوتی گئی۔شاید وہ کمرے سے جا رہی تھیں۔اور پھر دروازہ بند ہو گیا، سناٹا چھا گیا، قبر کی پہلی رات کا سا سناٹا۔۔ زمر نے آنکھیں کھولیں۔وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

کھڑکی کے باہر دوپہر پہلے سی تازہ تھی مگر اب بادل امڈ کر آ رہے تھے، بارش جیسے برسنے کو تھی۔۔وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ چت لیٹی چھت کو دیکھنے لگی۔اب کوئی بھی چیز افسوس نہیں دلاتی تھی۔سارے احساسات مر گئے تھے۔اسے پتہ تھا اب کیا ہوگا۔دوسری دفعہ اس کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔پھر بھی ایک امید تھی، شاید ایسا نہ ہو۔

.....❖❖❖.....

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے ..... کہیں آنکھیں، کہیں چہرہ نہیں ہے

دروازہ اک دم کھلا، وہ چونکی۔سوتی نہیں بن سکتی تھی۔مگر پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آنے والی فضیلہ یا ندرت نہیں تھیں۔ اس کو زمر کے پاس اکیلا چھوڑ دینے کا بہت تحکم سے کہتی، جواہرات کاردار نے اندر قدم رکھا۔

بند گلے کے سبز گاؤن، لمبی سفید ہیل، بالوں کا نفیس سا جوڑا بنائے، جوان، اور اسمارٹ سی جواہرات مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ زمر اسی بے رخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔

''ہیلو زمر! کیسی ہو؟''

ایک فلپینو ملازمہ اور ایک سوٹ میں ملبوس ملازم پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لئے پیچھے آئے اور ساری میزوں کو بھر دیا۔ جواہرات نے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئے۔ساتھ ہی شہرین کاردار اندر آئی۔اس نے لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور کندھے پہ لمبی چین کا پرس تھا۔سنہرے باب کٹ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں پیچھے کرتی، مصنوعی سی مسکراہٹ لیئے وہ زمر کے قریب رکی اور جیسے تعارف کروایا،

''میں مسز ہاشم کاردار ہوں۔ہم پارٹی میں ملے تھے۔''

زمر نے سر کے خم سے ان دونوں کے رسمی کلمات کا جواب دیا، جیسے وہ شدید کوفت میں مبتلا ہو۔جواہرات نے زمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے شہرین کو بتایا۔

''زمر یوسف' پبلک پراسیکیوٹر ہے۔ہاشم نے یقیناً تم سے ذکر کیا ہوگا۔''

شہرین نے منہ میں کچھ چباتے ہوئے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''جی آئی نو۔ڈی اے ہیں یہ یہاں کی۔''وہ زمر کی طرف مڑی ''سو ڈی اے، کیسی ہو تم؟''اس کو جیسے اپنے انداز تخاطب پہ خود ہی لطف آیا تھا۔

''تم اس کے ساتھ ہو....اس کے اپارٹمنٹ میں؟ تم....''صدمے اور غصے سے اس کی آواز کانپی۔''تم....'' ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

''میری بات سنو۔میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔شروع سے۔پلیز میری بات سنو۔'' وہ پسینے سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

مگر سچ بولنے کا وقت اب گزر چکا تھا۔اب بہت دیر ہو چکی تھی۔زمر نے کال کاٹ دی تھی۔وہ پریشانی سے بار بار اسے کال ملا رہا تھا مگر وہ نہیں اٹھا رہی تھی۔

اوپر آسمان پہ چمکتا چاند چار روز پہلے ماہِ کامل تھا۔

اب وہ کامل نہیں رہا تھا۔

چاند کی چاندنی اس کے اندر سے گھٹ چکی تھی اور آگے اندھیری رات تھی۔

.....❖❖❖.....

کافر، ماکر، کاذب، قاتل

(حصہ دوم)

دریا کی اصل تیرتی لاشوں سے پوچھئے ..... ٹھہراؤ ایک چال' روانی فریب ہے

فصیح فون کان سے لگائے' تیز تیز سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔اس کی سیاہ پیشانی پہ سلوٹیں تھیں اور آنکھوں میں چبھتی ہوئی ناگواری تھی۔

وہ دوسری طرف بولتے انجان آدمی کو سن رہا تھا۔

''اگر میں کہوں ہاں تو کیا مجھے انعام کی رقم ملے گی؟''

''ہاں' بالکل۔کہاں ہے وہ تامل جاسوس؟'' وہ غیر دلچسپی سے بولا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔

''پہلے مجھے انعام کی آدھی رقم بھیجو' پھر بتاؤں گا۔''فصیح کی ناک مزید چڑھ گئی۔

''دیکھو مسٹر' مجھے تامل جاسوس کی لوکیشن بتاؤ' اگر اسے ہم پکڑ پائے' تب انعام ملے گا ورنہ ایک دھیلا بھی نہیں ملے گا۔'' وہ بلا مبالغہ کہہ رہا تھا۔

''ایسے تو میں نہیں بتاؤں گا۔'' بوڑھا سنہالی خفا ہو گیا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' اس نے کال کاٹ کر سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی۔پھر دوسرے سیل پہ نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور کار ریورس کرنے لگا۔

''بولو فصیح۔'' جواہرات تلخ لگ رہی تھی۔

''میم ابھی تک ان دونوں کا پتہ نہیں چل رہا۔دونوں کے پوسٹرز الگ الگ بنوائے ہیں۔سعدی کا تامل جاسوس کے نام سے اور خاور کا بگڑے ذہنی توازن والے لاپتہ فرد کے نام سے۔مگر لوگ بوگس کالز کرتے ہیں۔پھر اوور سمارٹ بن کر انعام کا ایڈوانس مانگ کر رفو چکر ہونا چاہتے ہیں۔روز دس جگہوں پہ ان کی اطلاع ملتی ہے' میرے بندے بھاگ کر جاتے ہیں مگر سب فراڈ ہوتا ہے۔''

''مجھے اس تفصیل سے دلچسپی نہیں ہے۔جب وہ مل جائیں تو جو تمہیں کرنا ہے' وہ کر گزرنا۔'' اور اس کا ''راجر' میم۔'' سننے سے قبل ہی جواہرات فون رکھ چکی تھی۔

وہ اس وقت اپنے بستر میں لیٹی تھی۔سادہ نائٹ شرٹ میں ملبوس' بالوں کو گول مول باندھے' لحاف لپیٹے' وہ سست اور بدمزہ سی لگتی تھی۔ بیڈ کی پائینتی کی طرف اسٹول پہ بیٹھی فیونا اس کے پیروں کا مساج کر رہی تھی۔

''مسز کاردار۔کیا میری اینجیو ہمیشہ کے لئے واپس آ گئی ہے؟'' دفعتاً اس نے جھکی نگاہوں کے ساتھ پوچھا۔

جواہرات نے آنکھیں کھول کر ناگواری سے اسے دیکھا۔''اپنے دماغ کو آرام دو فیونا۔کون کدھر جائے گا' یہ میں طے کرتی ہوں۔

اب وہ تمہاری ہیڈ ہے' اس کو عزت دو۔" پھر اپنا پیر درشتی سے پیچھے کو کھینچا۔ فیونا کے ہاتھ خالی رہ گئے۔

"دور ہٹو۔ میرا سارا موڈ خراب کر دیا۔ باتھ تیار کرو میرے لئے۔"

چند منٹ مزید سرکے اور پھر وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دی۔ زمرد بنا آستین کے لمبا گاؤن پہنے' بال جوڑے میں باندھے۔ تازہ میک اپ' اور زمرد جڑے آویزے پہنے' وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔ شیرو کا کمرہ اندھیر تھا۔ وہ اسٹڈی کی طرف چلتی آئی۔ اندر بتیاں جلی تھیں اور سامنے کمپیوٹر ٹیبل پہ ہاشم چند کتابیں کھولے بیٹھا' کام کرتا نظر آ رہا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے' وہ کتاب میں سے کچھ پڑھ کر نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔ اس کے کندھے پہ نرمی سے ایک ہاتھ رکھا اور دوسرا اس کی میز پہ رکھے' وہیں کھڑی ہو گئی۔

"جی ممی؟" وہ سر اٹھائے بنا منہمک سا بولا۔

"تمہارے اطمینان پہ حیرت ہے مجھے۔ تمہارا بھائی اس لڑکی کو لے آیا جس سے مجھے نفرت ہے' اس کو کمپنی کا ایک چوتھائی حصہ دے ڈالا' اس کو اپارٹمنٹ لے کر دے رکھا ہے اور دو دن سے وہ اسی شہر میں رہ رہی ہے مگر تم کچھ نہیں کر رہے۔"

"میں مووآن کر چکا ہوں' ممی۔" وہ اب لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔ جواہرات کا دماغ گھوم گیا۔

"ہاشم.... اس لڑکی سے مجھے چھٹکارا کون دلا کر دے گا؟"

"اس لڑکی کا نام علیشا ہے اور وہ فیملی ہے ممی!"

"ہاشم...."

"ممی!" اس نے عینک اتار کر رکھی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں' چہرے کے نقوش' سب جواہرات کی کاپی تھے اور ان میں بھی اتنا ہی غصہ تھا۔

"میں اس کی فیس دے رہا تھا۔ وہ ایک سمسٹر ختم کر کے پڑھائی چھوڑ چکی ہے۔ وہ ٹک کر کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میری اتنے سالوں کی فیس بچ گئی۔ اس کے بدلے شیرو نے اسے چند شیئرز دے دیے ہیں' اور اچھا مجھے بھی نہیں لگا مگر میں کیا کروں؟ وہ دونوں میرے اپنے ہیں۔ رہنے دیں اسے ادھر۔ کچھ دن بعد خود ہی اکتا کر چلی جائے گی۔ آپ کو کیا کہہ رہی ہے۔" اور واپس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جواہرات اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا چکی تھی اور اب افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک وقت تھا جب اس کے شہر میں ہونے کی اطلاع نہ دینے پہ تم مجھ سے گاڑی میں بیٹھے معذرت کرتے رہے تھے۔" مگر ہاشم پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

"وہ وقت میں گزار چکا۔ اب مووآن کر جائیں ممی۔ اب میں ایک اچھا آدمی بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

جواہرات غصے سے مڑی اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئی وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"ان دو بیٹوں کے لیے اتنے سال قربانیاں دیں۔ کیا کیا نہیں کیا۔ مگر اب یہ دونوں اپنی زندگی میں آگے بڑھ چکے ہیں۔ تو ٹھیک ہے۔ رکوں گی میں بھی نہیں۔" پرس سے سیل نکالتی وہ ہارون کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

..........❖❖❖❖..........

بولے تو سہی جھوٹ ہی بولے وہ بلا سے ...... ظالم کا لب و لہجہ دل آویز بہت ہے

کولمبو میں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر اٹھارہویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا' اور اندر' سیڑھیوں پہ کھڑا فارس دیوانہ وار بار بار اسے کال ملا رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ پریشانی اور ماتھے پہ پسینہ تھا۔

''زمر کال اٹھاؤ' پلیز کال اٹھاؤ۔'' وہ موبائل کان سے لگائے بڑبڑا رہا تھا مگر دوسری طرف وہ فون آف کر چکی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا' مڑ کر غصے سے اوپر فلیٹ کی طرف دیکھا جہاں آبی گم ہوئی تھی اور پھر... پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا' سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا اور فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور لاؤنج میں بیٹھی آبی کے سر پہ جا پہنچا جو میز پہ پڑے کھانے کے پیکٹ سمیٹ رہی تھی۔

''یہ کیا تھا؟'' وہ بلند آواز سے غرایا تھا۔ آبی نے سکون سے چہرہ اٹھایا' پھر اس کے برہم تاثرات دیکھ کر آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''کیا ہوا؟''

''یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ آپ کو پتہ تھا کہ دوسری طرف میری بیوی ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ آبی اچنبھے سے اسے دیکھتی کھڑی ہوئی۔

''میں نے ایسا کیا کہا؟'' پھر جیسے یاد کیا۔ ''میں تو کھانے کا کہہ رہی تھی۔ میں سمجھی نہیں فارس' کچھ غلط ہو گیا ہے مجھ سے؟''

اب کے وہ کچھ نہیں بولا۔ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے' چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ تنفس ابھی تک تیز تھا اور ماتھے کے بل ہنوز ویسے تھے۔

''آئی ایم سوری' اگر میری وجہ سے کچھ غلط ہوا ہے تو۔ کیا انہوں نے کچھ غلط سمجھا؟ مگر وہ آپ کی بیوی ہیں' آپ کو اتنا تو جانتی ہوں گی۔ انہیں آپ کو اتنی سی بات پہ غلط نہیں سمجھنا چاہیے تھا۔'' وہ تعجب سے کہہ رہی تھی پھر فکرمند تاثرات چہرے پہ سجائے آگے کو ہوئی۔ ''کیا میں کچھ کر سکتی ہوں آپ کے لئے؟ پریشان مت ہوں' میں فوراً ان سے بات کر لوں گی۔''

''میرے ساتھ یہ گیمز نہ کھیلیں آبدار بی بی۔'' وہ تیز تنفس پہ قابو پاتا' اسے گھور کر بولا تھا۔

آبی نے اسے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکیں تو ان میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

''میں نے کیا کیا ہے' سوائے آپ کی مدد کرنے کے؟'' وہ بے بسی سے بولی تھی تو فارس نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

''اچھا روئیں نہیں۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔'' وہ صوفے کے کنارے بیٹھا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے کچھ سوچنے لگا۔ آبدار نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ پونچھا پھر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''میں نے شام سے کچھ نہیں کھایا' یہ کھانا بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔''

فارس نے چہرہ اٹھا کر اسے تکان سے دیکھا۔ ''اچھا سوری۔ مجھے آپ پہ غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

آبدار کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ نم آنکھیں رگڑتی سامنے والے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھی۔

''مجھے کھانا کھانا ہے۔'' وہ اب بھی منہ بسورے ہوئے تھی۔

''چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس ٹینشن زدہ ماحول سے تو نکلیں۔'' تلخی کو پی کر وہ زخمی سا مسکرایا تو بالآخر وہ مسکرا دی اور کھانے کے پیکٹ سمیٹنے لگی۔ ''یہ راستے میں کسی کو دے دیں گے۔''

فارس نے رک کر اپنی شرٹ کو دیکھا۔ ''میں کپڑے بدل لوں۔'' اور اندر کمرے کی طرف چلا گیا۔ آبی نے مسکراتے ہوئے سارے پیکٹ سمیٹے۔ پھر موبائل پہ قریبی ریسٹورانٹس سرچ کرنے لگی۔ ساحل کنارے ایک خوبصورت ریسٹورانٹ میں بکنگ کروائی اور پھر مسکراتے ہوئے فون بند کر کے سوچنے لگی۔

گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی رہیں' وقت سرکتا رہا۔ جب پندرہ منٹ گزر گئے تو آبدار قدرے چونکی۔ فارس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ اٹھی اور اس کے کمرے کے باہر جا کر آواز دی۔ ایک آواز' دو آوازیں۔ جواب ندارد۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' پھر ڈورناب گھمایا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرہ خالی تھا۔الماری کے پٹ کھلے تھے۔اندر نہ فارس غازی کا مختصر سامان تھا' نہ وہ خود تھا۔کمرے کی کھڑکی بھی کھلی تھی۔آبی بھاگ کر گئی اور کھلی کھڑکی سے نیچے دیکھا۔وہاں پائپ لگے تھے۔اور جالیاں۔وہ ان کے نیچے سڑک پہ جا اترا تھا اور کوئی ٹک ٹک یا ٹیکسی پکڑ کر کب کا کولمبو کے ہجوم میں گم ہو چکا تھا۔وہ بالکل سن رہ گئی۔پھر کھڑکی کی جالی میں اٹکے نوٹ پہ نظر پڑی تو اس نے لپک کر وہ کاغذ وہاں سے اتارا۔

''میں یہاں ریسٹورانٹس کے کھانے کھانے نہیں آیا تھا۔''

اور وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔محبت اور جنگ میں سب جائز ہو یا نہ ہو' محبت کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنا سراسر ناجائز ہوتا ہے۔وہاں سے چند کلومیٹر دور' وہ ٹیکسی سے اتر کر' بیگ کندھے پہ ڈالے' دوسرے ہاتھ میں موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔وہ اب زمر کو فون نہیں کر رہا تھا۔وہ اپنا ادھورا کام مکمل کر رہا تھا۔فون کان سے لگایا تو ایک نسوانی آواز ابھری۔

''ہیلو۔''

''صباحت۔میں بول رہا ہوں۔فا...''

''فارس؟'' آواز میں خوشگوار حیرت ابھری۔''کیسے ہو فارس؟ اتنے عرصے بعد؟''

''میں ٹھیک ہوں۔شاید....'' وہ زخمی سا مسکرایا۔

''شاید؟ یعنی ٹھیک نہیں ہو؟ کیا میں کچھ کر سکتی ہوں؟'' وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''جب پہلی دفعہ جیل گیا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے لئے کچھ نہیں کر سکیں کیونکہ...''

''فارس آئی ایم سوسوری' میں کچھ نہیں کر سکی' میں نے بہت کوشش کی مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔تم نے جو میرے لئے کیا تھا اس کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں چکا سکتی۔'' وہ شدید ممنونیت سے کہہ رہی تھی۔''تم نے اپنی نوکری خطرے میں ڈال کر مجھے میرے اریسٹ وارنٹ کا بتایا تھا۔تم کتنے سال سندھ میں پوسٹڈ رہے' میری وجہ سے اور....''

''میں یہ نہیں کہہ رہا تھا۔'' اس نے نرمی سے بات کاٹی۔''میں کہہ رہا تھا کہ پہلی دفعہ آپ نے میری مدد اس لئے نہیں کی کیونکہ آپ اس وقت انڈیا میں پوسٹڈ تھیں' لیکن دوسری دفعہ جب میں جیل گیا تھا تو آپ نے مجھے سری لنکا سے فون کیا تھا۔سری لنکا میں پوسٹڈ تھیں۔مجھے احسان کا بدلہ مانگنا...'' کرب سے آنکھیں بند کیں۔''بالکل اچھا نہیں لگ رہا' مگر مجبور ہوں۔جہاں اتنے جرائم کر چکا ہوں' وہاں ایک اور سہی۔''

''فارس!'' وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔''تم نے جو میرے لئے کیا' وہ جرم بھی تھا' اپنی نوکری کے ساتھ خیانت بھی' دھوکہ بھی اور غیر قانونی بھی۔مگر وہ ''غلط'' نہیں تھا کیونکہ کچھ چیزیں قانون سے اوپر کی ہوتی ہیں۔تم کل بھی بے گناہ تھے' اور کل بھی رہو گے۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔''کیا آپ اب بھی کولمبو میں پوسٹڈ ہیں؟''

.....❖❖❖.....

میں تو مقتل میں بھی قسمت کا سکندر نکلا ..... قرعہ فال مرے نام کا اکثر نکلا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر مکمل خاموشی تھی۔زمر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی' اور سیم کے سوالوں کا اس نے ''اسے بتا دیا ہے'' کہہ کر جواب دیا تھا۔آگے نہ سیم نے پوچھا نہ حنین نے۔حنہ تو وہیں لاؤنج میں نیچے بیٹھی' لیپ ٹاپ میز پہ رکھے' اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔(امی اپنے کمرے میں اپنے وظیفوں اور دعاؤں میں مشغول تھیں۔) سیم حنہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔بڑے ابا بھی وہیل چیئر گھسیٹتے' ان

کے ساتھ آرکے تھے اور اب فکرمندی سے بار بار حنہ سے پوچھتے تھے۔

''کیا تم سعدی کو ڈھونڈ سکتی ہو؟''

''نہیں ابا۔لیکن میں امی کا پاسورڈ بدل رہی ہوں' وہ پاسورڈ کے لئے امی کا ای میل کھولے گا' تو میں ایک جعلی ای میل اندر محفوظ کر رہی ہوں۔وہ اسے کھول کر اس کے لنک پہ کلک کرے گا تو اس کی لوکیشن ہمارے پاس آجائے گی۔'' وہ ایک ہاتھ سے ٹائپ کرتی' دوسرے کے ناخن مسلسل دانتوں کے بیچ کتر رہی تھی۔

''حنہ ....کیا بھائی ہمیں واپس مل جائے گا۔'' سیم اس کا بازو جھنجھوڑ کر بار بار پوچھتا تھا۔

''ہاں سیم۔وہ واپس مل جائے گا اور پھر دیکھنا' ہم سب ہمیشہ خوش رہیں گے۔'' حنین کو یہ بہت آسان لگتا تھا۔

''کاش کہ ہمیں وہی سعدی ملے جسے ہم نے کھویا تھا حنین۔'' ابا کی آواز غمزدہ ہوگئی۔حنہ نے مڑ کر استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چہرہ نیچے گرائے' بس سر ہلا کر رہ گئے۔وہ حنین کو مطلب نہیں سمجھا سکتے تھے۔

وہ سر جھٹک کر واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے سیو سعدی یوسف پیج کھولا۔اس کے ایڈمن میں سامنے احمر شفیع لکھا آرہا تھا۔حنین نے پیج کو پیغام لکھا۔

''ایڈمن....میں سعدی کی بہن ہوں۔پلیز مجھے اس پیج کا ایڈمن بنا دیں۔''

''تم اس کی ایڈمن کیوں بننا چاہتی ہو؟'' سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''سیم ہمارے فونز اور لینڈ لائن وہ لوگ ٹریس کر رہے ہوں گے' کیا پتہ ہمارے فیس بک اکاؤنٹس بھی دیکھ رہے ہوں۔ہم کوئی بھی ایسی بات نہیں لکھ سکتے جو بھائی کے لئے خطرہ بن جائے۔لیکن سیو سعدی یوسف والا پیج بھائی بھی دیکھتا ہوگا' میں اس کے ذریعے بھائی کو کوئی پیغام بھیج سکتی ہوں۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔اس کے لئے یہ بہت آسان تھا۔

ان سے ذرا فاصلے پہ کمرے کے بند دروازے کے پیچھے جھانکو تو زمر اندھیرا کیے صوفے پہ بیٹھی تھی۔اس کی خشک آنکھیں چھت پہ جمی تھیں اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ہاتھ میں پکڑا وہ موٹا بھدا فون آف تھا۔

جانے کتنے لمحے سرکے...کتنی رات گہری ہوئی..جب اس نے وہ فون آن کرتے ہوئے گردن سیدھی کی اور پھر اس میں سیو واحد نمبر ملایا اور اسے کان سے لگایا۔آنکھیں ہنوز خشک اور چہرہ سپاٹ تھا۔

فارس نے چھوٹتے ہی فون اٹھا لیا تھا۔وہ اس وقت ایک زبوں حال سے علاقے میں سڑک کنارے چل رہا تھا' ہاتھ میں پرچی تھی جس پہ لکھا پتہ وہ تلاش کر رہا تھا۔فون کان سے لگاتے ہوئے اس نے پرچی مٹھی میں دبالی اور بے چینی سے بولا۔

''اس طرح فون مت بند کیا کرو۔میری بات تو سن لیا کرو۔''

''تم ہمیشہ مجھے مختلف روپ میں ملتے ہو۔''

''زمر میں تمہیں....''

''مجھے میری بات پوری کرنے دو۔'' وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' سر جھکائے' انگلیاں مروڑتی کہہ رہی تھی۔''پہلے تم میرے ایک بھولے بسرے رشتے دار تھے۔پھر اسٹوڈنٹ بن گئے۔پھر ایک ایسے اسٹوڈنٹ رہ گئے جو وقت پڑنے پہ مجھے فیورز دے دیا کرتا تھا۔پھر تم میرے سامنے ایک قاتل کی حیثیت سے آئے' جس نے اپنی بیوی کو مارا' اپنے بھائی کو مارا' اور مجھے بھی مارنے کی کوشش کی۔پھر تم صرف ایک قیدی رہ گئے جو سفید کرتے شلوار میں ملبوس' بالوں کی پونی بنائے' مجھے کبھی کبھار کچہری میں نظر آجاتا تھا۔پھر تم مجھے ایک چالباز قیدی لگے جس نے مجھے

استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی۔ پھر تم مجھے ایک ایسے رہا ہونے والے انسان جیسے لگے جو گناہگار ہوتے ہوئے بھی قانون کا مذاق اڑا کر جیل سے نکل آتا ہے۔ پھر مجھے لگا تم ایک منتقم مزاج انسان ہو۔ جس نے اپنا رشتہ ٹھکرائے جانے کا بدلہ مجھ سے لیا تھا۔ جب تم سے شادی کر لی تو تم ایک بے حس اور سرد آدمی لگتے تھے مجھے جسے جو کہہ لو اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے لگا تم وہ نہیں ہو جو لگتے ہو۔ جو ہمیشہ لگتے تھے۔ تم بے گناہ لگنے لگے مجھے۔ یہاں تک کہ مجھے یقین آ گیا کہ تم بے قصور ہو۔ مگر بے وقوف ہو' جو اپنے دشمن سے ناواقف ہو۔ پھر تم میرے شوہر بن گئے اور ایک محبت کرنے والے وفادار آدمی جیسے لگنے لگے مجھے.... مگر آج رات....'' وہ رکی۔ تیز تیز بول کر اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف وہ بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔

''آج رات لگا کہ تم ان میں سے کچھ بھی نہیں ہو۔ تم ایک اداکار ہو صرف مگر اب.... اب یہ نہیں لگ رہا۔''

''اب کیا لگ رہا ہوں میں تمہیں؟'' وہ تحمل سے بولا تھا۔

''ایک انسان۔ صرف ایک انسان جو اگر زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں لینا چاہے تو اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ بس پھر تمہیں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بیوی بنوں۔'' ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر چہرے پہ لڑھک گیا۔

''کیا تم میری بات سنو گی؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہمیشہ کہتے ہو ہم نے الگ ہو جانا ہے' اور مجھے نہیں پتہ کہ کیوں' لیکن اگر الگ ہی ہو جانا ہے تو تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جو کرنا ہے کرو۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں اور تم کبھی ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لئے....'' اس نے گیلی سانس کو ناک سکوڑ کر اندر کھینچا اور ہاتھ کی پشت سے گال رگڑے۔ ''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم میری طرف سے پریشان ہوئے بغیر تم جو بھی کرو' یہ تمہارا حق ہے۔ مجھے اعتراض نہیں۔''

وہ سڑک کنارے' ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا' سنجیدگی سے دوسری طرف سے آتی زمر کی آواز سن رہا تھا۔ آخر میں تلخی سے مسکرایا۔ ''عظیم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی کہی' اپنی سنی اور فیصلہ سنا دیا۔ ٹھیک ہے' جو تم چاہو۔'' اور اسی سنجیدگی سے موبائل نیچے کیا اور کال کاٹ دی' پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

زمر نے سر گھٹنوں میں دے دیا اور بازوان کے گرد لپیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب ہر طرف پھر سے اندھیرا ہو گیا تھا۔

اور اسی اندھیر رات میں احمر جب لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا تو نئے پیغام نے اسے چونکایا۔ اسے پڑھ کر اس نے بلا کسی تردد کے حنین یوسف کو اپنے پیج کا ایڈمن بنا دیا۔ پھر یونہی.... اس کی پروفائل کھولی۔ کچھ خاص نہ تھا ادھر.... البتہ.... ایک چہرہ دیکھ کر وہ چونکا تھا....

اب اس کی انگلیاں تیز تیز کی بورڈ پہ حرکت کر رہی تھیں اور آنکھوں میں چمک سی تھی۔

ادھر کولمبو کے آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہونے لگے تھے' گویا پورے شہر کو نہلا دینے کے لئے بے چین ہوں۔ ہوٹل کی بلند و بالا عمارت سر اونچا کیے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اندر.... گراؤنڈ فلور کے سیکیورٹی کنٹرول روم میں دو افراد کمپیوٹر مانیٹرز کے سامنے بیٹھے تھے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سیاہ فام فصیح اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔

''تمہیں ریسپشن پہ طلب کیا جا رہا ہے۔ کوئی ملنے آیا ہے تم سے۔'' ایک کو اکھڑ لہجے میں حکم دے کر وہ دوسرے کی طرف آیا' اور چند لمحے انتظار کیا' یہاں تک کہ پہلا نوجوان کمرے سے چلا گیا۔

''خیریت' سر؟'' دوسرے آفیسر نے کرسی اس کی طرف گھمائے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ فصیح نے جواباً اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔

''مجھے شام میں ایک کال آئی تھی۔ پوسٹر والے لڑکے کے لئے۔'' اس بات پہ آفیسر نے اکتا کر سر جھٹکا۔

''نہیں سنو۔ بے شک وہ عام کالرز کی طرح بوگس ہی لگ رہا تھا' مگر....''اس نے اسکرین سامنے لہرائی۔''اس کا موبائل نمبر کینڈی کا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ اشتہار ہم نے کولمبو میں دیا ہے۔ پھر کینڈی سے کیوں کوئی کال کر رہا ہے ہمیں؟''

''ہوسکتا ہے نمبر کینڈی کا ہو مگر کالر کولمبو میں ہو۔ آدمی سم کسی بھی شہر سے لے سکتا ہے۔'' مگر فصیح نے نفی میں سر ہلایا۔

''مگر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سعدی یوسف کینڈی میں ہو؟''

''تو پھر اس کالر کے پاس پوسٹر کیسے آیا؟'' اس نے نکتہ اٹھایا۔ فصیح نے الجھ کر سر جھٹکا۔

''اس نمبر کو ٹریس کرو۔''

''راجر' سر!'' وہ فوراً سے مانیٹر کی طرف گھوما اور کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ پانچ منٹ بھی نہیں لگے اور اس نے سر اٹھایا۔''نمبر آف ہے۔ سم موبائل میں نہیں ہے' ورنہ سگنل مل جاتا۔ میں اس نمبر پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ جیسے ہی آن ہوتا ہے بتاتا ہوں۔''

فصیح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔''یہ اس کی کوئی ایکسٹرا سم ہوگی۔ تم اس کا سارا کال ریکارڈ نکلواؤ۔ کس کے نام ہے سم' سب کچھ۔'' پھر جوش سے اس کا کندھا تھپکا۔''ہری اَپ۔''

انعام کی رقم کے صفر فصیح کو اپنی آنکھوں میں چمکتے دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ جواہرات کا اس سے وعدہ تھا۔ ہارون کا انعام الگ۔ خون اس کی رگوں میں بہت تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

.....❖❖❖.....

میں ان میں بھٹکتے ہوئے جگنو کی طرح ہوں ..... اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

یہ کولمبو کے ایک زبوں حال اور پسماندہ علاقے کی ایک فلیٹ بلڈنگ تھی۔ سامنے کچرے کا ڈھیر تھا۔ میلی دیواریں۔ فلیٹس کی بالکونیوں پہ سوکھتے کپڑے۔ اندر فارس گول سیڑھیاں عبور کر کے ایک دروازے کے سامنے آن ٹھہرا تھا اور اب دستک دے رہا تھا۔ اپنے ہلکے سوئیٹر کے آستین موڑ رکھے تھے اور سر پہ پی کیپ لے رکھی تھی۔ دو دفعہ دوبارہ دستک دی۔ پھر بیل بجائی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا۔ درز سے ایک مخنی اور سانولے لڑکے نے جھانکا۔

''مجھے صباحت نے بھیجا ہے۔ صباحت مرزا نے۔ کام ہے تم سے۔''

لڑکا درز سے چند لمحے اسے جھانکتا رہا۔ پھر دروازہ کھول دیا اور زنجیر گرا دی۔ وہ دروازہ پرے دھکیلتا اندر داخل ہوا۔ ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

''تعارف اور تمہید میں میرا وقت ضائع نہ کروانا۔ اپنا کمپیوٹر آن کرو۔ جو صلاحیتیں تم مختلف حکومتوں کو بیچتے رہتے ہو' مجھے ان کی ضرورت ہے۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ چلو۔'' اس کا موڈ پہلے خراب تھا' گھرک کر بولا تو لڑکا جلدی سے اندر چلا گیا۔ فارس ماتھے پہ بل لئے اس کے پیچھے آیا۔ اندر ایک چھوٹے سے کمرے میں تین کمپیوٹرز رکھے تھے۔ ایک آن تھا۔ وہ لڑکا اسی کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا اور مطلوبہ پروگرام کھول رہا تھا۔

''صباحت نے کہا تھا تمہیں گورنمنٹ کے فیشل recognition سافٹ ویئر تک access چاہیے۔ تصویر دو مطلوبہ لڑکے کی۔'' کی بورڈ پہ ٹائپ کرتے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ فارس نے ایک فلیش اس کی ہتھیلی پہ رکھی۔ اور ساتھ کھڑا اسے دیکھنے لگا۔

''اس میں سب تصاویر ہیں اس کی؟'' وہ فلیش ڈرائیو لگا کر پوچھ رہا تھا۔

''نظر نہیں آرہیں کیا؟'' وہ درشتی سے بولا۔مخنی لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' جیسے بہت ضبط کیا ہو' پھر سر جھٹک کر کام کرنے لگا۔

''میں اسے سسٹم میں ڈال رہا ہوں۔اس چہرے کا لڑکا پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں کولمبو کے کسی اسٹریٹ کیم' ائیر پورٹ' بس' ٹرین اسٹیشن وغیرہ کے کسی بھی پبلک کیمرے کے سامنے اگر آیا ہو' تو فوٹیج مل جائے گی۔''

''کولمبو میں نہیں' اسے کینڈی میں ڈھونڈو۔'' وہ کمپیوٹر ٹیبل کے کنارے بیٹھ گیا۔

وہ لڑکا' جس کا نام پریرا تھا' گہری سانس لے کر مطلوبہ الفاظ ٹائپ کرنے لگا۔

''انگریزی فلموں کے برعکس فیشل ریکوگنیشن میں کئی گھنٹے لگتے ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد پریرا جمائی روکتے' بازوؤں کا تکیہ بنا کر پیچھے کو جھکاتے ہوئے بولا تھا۔''اگر وہ نظر آیا تو اسکرین پہ سگنل بج جائے گا۔تم دیکھتے رہو' میں تب تک کھانا کھالوں۔'' کہہ کر وہ اٹھنے لگا' تو میز کے نیچے پہ بیٹھے فارس نے اپنا پیر لمبا کر کے راستے میں رکھ دیا۔پریرا نے چونک کر اسے دیکھا۔فارس نے جیب سے پستول نکال کر میز پہ رکھا' پھر دوسری جیب سے نسبتاً چھوٹا پستول نکال کر اس کے ساتھ ڈالا' پھر سخت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو سے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جب تک وہ مل نہیں جاتا' تم کہیں نہیں جارہے۔واپس بیٹھو۔''

لڑکے نے ایک نظر اسے دیکھا' دوسری بے بس نظر ان دو پستولوں پہ ڈالی' پھر گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔پروگرام کے مسلسل چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔رات دھیرے دھیرے کٹنے لگی۔

.....❖❖❖.....

مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں ..... ابھی روشنی ابھی تیرگی' نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

اگلی صبح دھوپ چھاؤں کا سا موسم اسلام آباد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔اس پرشکوہ عمارت کے بالائی فلور پہ وہ ایک کشادہ سا آفس تھا۔بلائنڈز کھلے تھے اور سنہری روشنی آدھے آفس کو روشن کر رہی تھی۔

مرکزی کرسی پہ نوشیرواں ٹیک لگائے بیٹھا ایک کرسٹل بال ہاتھ میں گھما رہا تھا۔سامنے کھڑکی کے آگے علیشا کھڑی تھی۔سیاہ بالوں کو اونچی پونی میں باندھے' اس کی بے حد گوری جلد اور سرمئی آنکھیں دھوپ کی حدت سے چمک رہی تھیں۔دفعتاً اس نے چہرہ موڑ کر چبھتی ہوئی نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔

''اب؟ اب کیا ہوگا؟''

''کیا ہونا ہے' تم یہاں کام کرو گی' آرام سے رہو گی۔''

علیشا کا ردار کی آنکھوں میں خفگی اتری۔''تم نے مجھے یہ کہہ کر بلایا تھا کہ مجھے میرے باپ کی جائیداد سے حصہ دو گے۔''

''دے تو رہا ہوں۔'' وہ حیران ہوا' اور قدرے ناراض بھی۔

''میں نے کیا کرنا ہے اس کمپنی کا؟ میں سوچ رہی ہوں ان شیئرز کو بیچ دوں۔''

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔''اور ان کے بدلے رقم لے کر واپس چلی جاؤ؟''

''ہاں نوشیرواں' میں اس رقم سے نئی زندگی شروع کر سکتی ہوں۔''

نوشیرواں ناگواری سے ابھی کچھ کہتا مگر دروازہ دستک کے ساتھ کھلا تو چوکھٹ میں زمر کھڑی نظر آئی۔سیاہ کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس' گھنگریالے بال آدھے باندھے' وہ مسکرا رہی تھی۔بالکل پرسکون' پراعتماد اور اپنی ناک کی نتھ کی طرح تازہ دمکتی ہوئی۔رات والے واقعے کا شائبہ تک چہرے پہ نہ ملتا تھا۔

''آیئے مسز زمر۔'' وہ اپنائیت سے کہتا اٹھا۔اسے دیکھ کر ہمیشہ شیرو کو تقویت ملتی تھی۔

''تھینک یونوشیرواں۔'' وہ مسکرا کر کہتی آگے آئی۔''ہیلوعلیشا!'' ایک نظر اسے دیکھا۔وہ بس صبح بخیر کہہ کر رہ گئی' البتہ سینے پہ لپیٹے بازو کھول کر پہلو میں گرا دیے تھے' اور جو پہلے بے نیازی سے کھڑی تھی' اب الرٹ سی ہوگئی تھی۔

''میں صرف اطلاع دینے آئی تھی۔'' کرسی کھینچ کر بیٹھتی وہ نرمی سے گویا ہوئی۔اور پرس میز پہ رکھا۔''مجھے صبح ہاشم کا فون آیا تھا۔''

نوشیرواں کے چہرے پہ بے چینی سی پھیلی۔وہ آگے کو ہو کر بیٹھا اور ہاتھ باہم پھنسا کر میز پہ رکھے۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ علیشا چاہے تو آفس میں کام کرے۔چاہے تو اپنے شیئرز اسے بیچ دے۔وہ ان کے بدلے ایک خطیر رقم دینے کو تیار ہے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' شیرو کے چہرے پہ پہلے ہاشم کے نام سے جو زخمی پن سا پھیلا تھا' اب وہ عنقا ہو کر غصے میں ڈھل گیا۔

''مگر یہ اچھا سودا ہوگا۔'' علیشا قدرے امید سے کہتی آگے آئی۔شیرو نے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھا۔

''میں نے تمہیں شیئرز اس لئے نہیں دیے تھے کہ تم انہیں ہاشم بھائی کو بیچ کر انہیں 50 فیصد کا مالک بنا دو اور میں بالکل معذور ہو جاؤں۔''

''اب وہ میرے شیئرز ہیں' اگر تمہیں میرا خیال ہے تو....'' وہ بھی تیزی سے کہنے لگی۔مگر زمر نے میز کو انگلی کے ناخن سے زور سے کھٹکھٹایا۔''ایک منٹ!'' آفس میں خاموشی چھا گئی۔پھر زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔''نوشیرواں' کیا آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟''

''مسز زمر' اگر یہ دونوں مل گئے تو میں ان کا محکوم بن جاؤں گا' اور....''

''نوشیرواں آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟'' وہ اب سنجیدگی سے بولی تو وہ ذرا چپ ہوا۔''مجھے ہے مگر....''

''تو فکر کیسی؟ میں آپ کی وکیل ہوں' آپ کے مسئلے حل کرنا میرا مسئلہ ہے۔کچھ بھی ایسا نہیں ہوگا جو آپ نہیں چاہیں گے۔''

نوشیرواں نے ناخوشی سے سر کو خم دیا مگر وہ آرام دہ نہیں لگ رہا تھا۔زمر نے اب سرد نظروں سے علیشا کو دیکھا جو بے چین نظر آ رہی تھی۔

''مِس علیشا کاردار۔آپ نے اس روز دو کاغذات پہ دستخط کئے تھے۔وہ دوسرا کاغذ جانتی ہیں کیا تھا؟''

''آپ نے کہا تھا کہ وہ میرے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے ہے تاکہ کوئی مجھ سے زبردستی شیئرز نہ چھین لے۔''

''آآآ....میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' زمر نے شانے اچکائے۔''اس کاغذ کی رو سے آپ نوشیرواں کاردار کے علاوہ کسی بورڈ ممبر کو وہ شیئرز نہیں بیچ سکتیں۔اور نوشیرواں کو بھی آپ ان کی مرضی کی قیمت پہ بیچیں گی۔آپ اپنی مرضی سے وہ شیئرز نہیں فروخت کر سکتیں۔''

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا۔خود علیشا بھی متحیر کھڑی رہ گئی۔

''اور یہ شرط کمپنی کے بائی لاز کے سکیشن 18 کی شق (B) کے عین مطابق ہے۔آپ ہاشم کو وہ بیچ ہی نہیں سکتیں۔'' ٹیک لگا کر بیٹھی وہ قلم دو انگلیوں میں گھماتی' اطمینان سے کہہ رہی تھی۔نوشیرواں کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔علیشا نے سرمئی آنکھوں بے بسی بھرے زمر کو دیکھا۔''آپ نے مجھے مِس گائیڈ کیا۔کیوں مسز زمر؟''

''کیونکہ میں آپ کی نہیں' نوشیرواں کاردار کی وکیل ہوں۔آپ کو دولت کمانی ہے علیشا تو آپ کو کام کرنا ہوگا۔دنیا کا کوئی کاروبار ایسا نہیں ہے جو انسان کو بٹھا کر کھلا سکے۔آپ نوشیرواں کا گفٹ یوں اڑا نہیں سکتیں۔'' پھر چہرہ گھما کر نوشیرواں کو دیکھا۔''چونکہ ہاشم نے علیشا کو کام کرنے کی اجازت دے دی ہے تو آپ اپنے بھائی سے صلح کر لیں۔وہ آپ سے سب سے زیادہ مخلص اور وفادار ہے۔''

نوشیرواں اب پہلے سے بہتر نظر آنے لگا تھا۔گردن دوبارہ اکڑ گئی تھی۔''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔''

وہ چھڑی ڈال کر پانی کی گہرائی دیکھ چکی تھی' سو علیشا سے مخاطب ہوئی۔''نوشیرواں کے ساتھ کام کریں اور کمپنی کو ترقی دلائیں۔یہ

اس احسان کا بدلہ ہوگا جو اس نے آپ پہ کیا ہے۔"

مگر اس فیری ٹیل نصیحت سے وہ دونوں بے زار تھے۔مخالف سمتوں میں رخ کئے' وہ ذہن میں اپنے تحفظ' اور اپنی بقا کے تانے بانے بن رہے تھے۔وہ جانے لگی تو علیشا کسی خیال سے جاگی۔

"مسز زمر' کیا میں جنین سے مل سکتی ہوں؟"

"نہیں۔" وہ یک لفظی جواب دے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔علیشا چپ رہ گئی۔وہ مسلسل اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے ..... مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کولمبو پر سورج نے سنہری شربت انڈیل دیا تھا۔سارا شہر سونے میں نہا گیا تھا۔

فصیح نے اپنے فلیٹ سے نکلتے وقت فون کان پہ لگائے فکرمندی سے پوچھا۔"اس کینڈی والے شخص کا فون آن ہوا یا نہیں؟ میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔تم اس نمبر کو نظر میں رکھا۔" اور پھر فون بند کر کے کار کی طرف بڑھ گیا۔

کینڈی کی پہاڑیوں کے بیچ' سڑک کنارے بنی کافی شاپ کے اندر کا ماحول نرم گرم سا تھا۔کچن میں سعدی ایپرن پہنے کھڑا' برتن ترتیب سے رکھ رہا تھا۔اس نے اپنی ٹرک کو مزید سحر انگیز بنانے کے لئے خاص برتن بھی منگوائے تھے' خود باہر جانے کی غلطی وہ نہیں کر رہا تھا۔اگر وہ کسی اسٹریٹ گیم کی زد میں آگیا تو وہ لوگ اسے ڈھونڈ لیں گے' وہ جانتا تھا۔

کام ختم کر کے وہ کونے میں آیا اور کامنی کا لیپ ٹاپ کھولا اور اسٹول پہ بیٹھ گیا۔کی بورڈ پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ فیس بک اکاؤنٹ لاگ اِن کرنے لگا۔پھر آنکھیں حیرت سے سکڑیں۔پاسورڈ نہیں لگ رہا تھا۔اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔پھرتی سے اس نے فیس بک بند کیا اور کمپیوٹر آف کر دیا۔اسے مزید امی کے اکاؤنٹ کو نہیں کھولنا تھا۔کسی کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اکاؤنٹ کھول رہا ہے اور یقیناً اس کے لئے کوئی جال بچھا کر رکھا گیا ہوگا۔ہوسکتا ہے وہ جنین ہو۔مگر وہ خطرہ نہیں لے سکتا تھا۔

واپس کولمبو میں آؤ تو کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے' کھٹا کھٹ ٹائپ کرتے ہوئے شخص نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔"

وہ چیئر کے پیچھے آ کھڑا اور سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھا۔"کیا آف نمبر کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا؟"

"نہیں۔جب تک وہ نمبر آن نہیں ہوگا' ہم اس کو ٹریس نہیں کر سکتے۔اب؟" مڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"وہ کینڈی میں ہے' مجھے اس کا یقین ہے۔ایسا کرو' اس نمبر کو ابھی چھوڑو۔تم ایک اور کام کرو۔" وہ آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"کیا کروں؟ اتنے بڑے کینڈی میں ایک شخص کو ڈھونڈنا ناممکن ہے۔"

"ڈارک نیٹ پہ اس کا پوسٹر دیکھا ہے نا تم نے؟ اس پہ موجود انعامی رقم کا نصف دوں گا' اگر ہم نے اسے پکڑ لیا تو۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔تم اس کو ڈھونڈ کر اسے گولی مار دو گے' مجھے معلوم ہے۔" کمپیوٹر اسکرین کی طرف واپس گھومتے اس نے خفگی سے کہا تھا۔"اب بتاؤ' کیسے ڈھونڈیں گے ہم اسے؟"

وہ سوچتے ہوئے بولنے لگا۔"وہ کہیں کسی محفوظ جگہ پناہ لئے ہوئے ہے۔وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے ادھر۔اسی لئے باہر نہیں نکل رہا۔ہم

اسے باہر نکالیں گے۔''

''مگر کیسے؟'' اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔

''میرے اور تمہارے برعکس' وہ ایک اچھا انسان ہے۔ رحم دل اور مہربان۔ ہم اس کی رحم دلی کو اس کے خلاف استعمال کریں گے۔ اگر وہ کچھ ایسا سنے' جو اس کے مہربان دل کو دہلا دے' تو وہ باہر نکل آئے گا' اور میں اسے جالوں گا۔''

''یعنی کہ ہم اس کے لئے جال بچھائیں۔ گڈ۔ لیکن ایسا کیا ہو سکتا ہے جسے سن کر وہ نکل آئے؟'' اور مڑ کر دوبارہ اسکرین کو مایوسی سے دیکھا۔ ''وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔''

.....❖❖❖.....

دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہ گزر طے کرنی ہے ..... ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم

زمر گھر میں داخل ہوئی' چیزیں حسینہ کو پکڑائیں' اس کو مارکیٹ سے چند ادویات لانے کے لیے بھیجا اور خود ڈائننگ ہال میں چلی آئی۔ حنہ کرسی پہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ چائے کے دو خالی مگ ساتھ رکھے تھے اور وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

''بھائی نے ایک دفعہ فیس بک کھولا' پاسورڈ بدلا ہوا دیکھ کر ای میل نہیں کھولی۔ وہ جیسے پیچھے ہٹ گیا ہے۔'' وہ نم آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ سیم بھی رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں کے ساتھ قریب بیٹھا تھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

''سیم' اٹھو۔ امی اور بڑے ابا کو بلاؤ۔''

''کیوں پھپھو؟'' سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ ہمیں ایک فیملی میٹنگ کرنی ہے اسامہ یوسف۔'' تحکم سے کہہ کر وہ سربراہی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اسامہ ڈھیلا سا اٹھ گیا۔ حنہ اسی طرح دل مسوس کر بیٹھی رہی۔

ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی' سوندرت گھر پہ ہی تھیں۔ وہ آئیں اور فکرمندی سے باری باری ان سب کے چہرے دیکھتے پہلی کرسی پہ بیٹھیں۔ سیم ابا کی وہیل چیئر بھی دھکیلتا لے آیا۔ پھر سلائیڈنگ ڈور بند کر دیا۔

''مجھے آپ سب سے بات کرنی ہے۔'' وہ کرسی کی پشت پہ دونوں ہتھیلیاں جمائے کہہ رہی تھی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے' سوائے حنین کے۔ زمر آگے آئی' لیپ ٹاپ کے پاور بٹن پہ انگلی رکھ کر اسے دبایا۔ اسکرین آف ہو گئی۔ حنہ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''زمر' میں بھائی کے لاگ اِن کا انتظار....''

''میں نے کہا' ہم ایک فیملی میٹنگ کرنے جا رہے ہیں' تو تمہیں متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر تمہارا بھائی رابطہ نہیں کر رہا تو اس کی کوئی وجہ ہو گی۔'' وہ ڈپٹ کر بولی تو حنین بے دلی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''کل رات آپ سب نے مجھے الزام دیا....نہیں بھابھی' میری بات سنیں۔ یہ معاملے میں آپ لوگوں سے بہتر ڈیل کر سکتی ہوں' اور چاہے آپ مجھ سے بڑے ہوں' آپ کو ان معاملات میں میری بات ماننی ہو گی۔'' ندرت کو لب کھولنے سے پہلے ہی اس نے خاموش کرا دیا۔

''فارس اور میں نے یہ سب چھپایا' اس لئے نہیں کہ ہمیں راز رکھنے کا شوق ہے' بلکہ اس لئے کہ خطرناک راز بم کی طرح ہوتے ہیں' انہیں ہم اپنے ''اپنوں'' کے ہاتھوں میں اس لئے نہیں دیتے کہ ان کی ذرا سی لاپرواہی ان ہی پہ کوئی ٹریجڈی نہ لے آئے۔ مگر اب آپ لوگ جان ہی گئے ہیں تو سنیں۔'' باری باری سب کی طرف نظریں گھماتی' وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہی تھی اور سب دھیان سے اسے سن رہے تھے۔

''کاردار زعزت دار لوگ ہیں۔ وہ کرپٹ ہیں' سب جانتے ہیں' مگر وہ قاتل ہیں' یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہم جانتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ ہم جانتے ہیں۔ جس دن وہ جان گئے' اس دن زمین ہمارے لئے تنگ ہو جائے گی' اس دن کو ابھی نہیں آنا چاہیے۔ کم از کم جب

ے ہمارا سعدی ہمارے پاس نہیں ہے' تب تک نہیں۔ اس لئے آپ سب دوبارہ ان الفاظ کو نہیں دہرائیں گے۔'' اس کا لہجہ اب بھی بے
ے تھا۔'' کوئی اب اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ کاردارز کیا کر چکے ہیں' آپ جیسے جانتے ہی نہیں۔ وہ لوگ ہمارے فونز ٹیپ کر رہے ہوں
ے ہماری کالز سن رہے ہوں گے۔ کوئی بھی فون پہ یا ایسے بھی کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر کال میں آپ یوں مایوسی کا اظہار
ریں گے کہ جیسے ہم ابھی تک سعدی کے بارے میں بے خبر ہیں۔ ابھی جنگ کا وقت نہیں آیا۔ ابھی ہم نے خود کو نارمل ظاہر کرنا ہے۔ اسامہ تم
ں سے اسکول جاؤ گے بلاناغہ' اور بھابھی آپ ایک گھنٹے کے لئے بھی ریسٹورانٹ سے غائب نہیں ہوں گی' کیونکہ ہماری ہر نقل وحرکت پہ وہ
ی نظریں رکھے ہوں گے۔ ہمیں ان کو ''شک'' کا موقع نہیں دینا۔ ہمیں ان کو اپنی طرف سے پرسکون رکھنا ہے۔ سب نارمل ایکٹ کریں
ے۔'' بالآخر خاموش ہو کر اس نے سامنے بیٹھے حاضرین کو دیکھا۔ سب متفق تھے یا غیر متفق' سب بات مان چکے تھے۔ صرف ندرت کے لبوں
سے نکلا۔ ''اور سعدی؟ اس کا کیا؟'' ان کی آواز تک کانپ گئی۔

زمر نے میز سے اپنا پرس اور سیل فون اٹھاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''فارس سنبھال لے گا۔'' اور دروازے کی طرف
ڑھ گئی۔

..........❖❖❖..........

شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ ...... منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

صبح ابھی پوری طرح دوپہر میں نہیں ڈھلی تھی مگر فاطمہ اختر کا آفس سورج کی کرنوں سے مکمل طور پہ روشن تھا۔ وہ فائل ریک کے سامنے کھڑی سوچ کر ایک ایک فولڈر نکالتی' پھر نفی میں سر ہلا کر واپس رکھتی۔ دفعتاً دستک پہ مڑی۔ چوکھٹ میں احمر کھڑا تھا۔ فینسی شرٹ اور کوٹ میں ملبوس' وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ فاطمہ نے بھی مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

''اور صبح سویرے جناب احمر شفیع نے مجھے یہ اعزاز کیونکر بخشا؟'' وہ اپنی سیٹ پہ تھکن سے گرتے ہوئے بولی۔

احمر تیزی سے آگے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

''مجھے معلوم ہے میں آج کل کسی کو وقت نہیں دے پا رہا۔ میری جاب..... بہت ٹف ہوتی جا رہی ہے۔''

''تم کرنل خاور سے بہتر غلام بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر وہ بیسٹ تھا۔'' احمر کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا' مگر پھر سر جھٹک کر آگے کو ہوا۔

''میں نے تمہیں حنین یوسف کو ریسرچ کرنے کے لئے کہا تھا۔''

''وہ کلین ہے احمر۔ میں نے بہت ڈھونڈا' مجھے کچھ نہیں ملا۔'' فاطمہ نے شانے اچکائے۔

''کوئی بھی کلین نہیں ہوتا فاطمہ۔'' وہ زخمی سا مسکرایا' پھر اپنا ٹیب اس کے سامنے رکھا۔ ''کل رات اس نے مجھے میسج کیا کہ میں اسے سیو سعدی یوسف کا ایڈمن بنا دوں۔''

''تو بنا دو۔ اس کے بھائی کے نام کا پیج ہے وہ۔''

''بات یہ نہیں ہے۔'' وہ دبے دبے جوش سے بول رہا تھا۔ ''بات یہ ہے کہ میں نے پہلی دفعہ اس کی فیس بک پروفائل دیکھی ہے۔''

''میں کب کی دیکھ چکی ہوں' اس میں کچھ نہیں ہے۔'' وہ بیزار آ گئی تھی۔

''اس میں واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر اس میں ''کوئی'' ہے۔'' کہہ کر اس نے اسکرین فاطمہ کے سامنے کھڑی کی۔ وہ اچنبھے سے آگے ہوئی۔

''یہ ایک لڑکی ہے حمیرا نام کی۔ اس نے اپنے باپ کی پکچر کو پروفائل پکچر کے طور پہ لگا رکھا ہے۔ ایف وائی آئی' یہ آدمی ایک بورڈ کا او سی پی تھا' اور اس کو جسٹس سکندر نے قتل کر دیا تھا' اسی ویڈیو کو سعدی اور میں نے.... استعمال کیا تھا۔'' فارس کا نام نہیں لے سکا۔ چپ ہو گیا۔

''او کے' تو؟''

''تو یہ کہ اس کی بیٹی اور حنین یوسف فرینڈز تھیں۔سعدی نے مجھے کہا تھا' وہ ندامت لے کر اوسی پی کے گھر گیا تھا جب اس کو وہ یہاں کیمرہ ملا۔وہ گلٹی تھا مگر کیوں؟ وہ تو کبھی اوسی پی سے نہیں ملا تھا۔پہلی دفعہ ان کے گھر گیا تھا۔جب یہ بات میں نے غازی اور مسز زمر کو بتائی تو وہ چھوٹی لڑکی بھی ساتھ بیٹھی تھی اور اس کی شکل عجیب سی ہو رہی تھی۔اس نے کچھ ایسا کیا تھا جس پہ سعدی گلٹی تھا۔''

فاطمہ بالآخر دلچسپی سے آگے کو کوئی۔''مگر کیا؟''

''یہی جاننے کے لئے میں نے اس لڑکی کا اکاؤنٹ ہیک کیا۔''

''حنین کا؟''

''نہیں۔وہ خطرناک ہے۔میں نے اس حمیرا کا اکاؤنٹ ہیک کیا اور حنین سے اس کی گفتگو پڑھی۔دو سال پرانی گفتگو۔اور جانتی ہو مجھے اس سے کیا معلوم ہوا؟''

''کیا؟'' فاطمہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''اوسی پی کی بڑی بیٹی کی ویڈیو کسی کے پاس تھی' انہوں نے حنین سے مدد مانگی' حنین نے کہا کہ انکل خود آ کر مجھ سے کہیں۔پھر گفتگو سے لگتا ہے کہ کام ہو گیا۔چند ماہ بعد حنین نے اس سے اس کے ابو کا نمبر مانگا اور کہا کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔اس کے بعد حنین نے اس کو کوئی میسیج نہیں کیا۔سارے میسیج اسی لڑکی کے ہیں۔وہ گلہ کر رہی ہے کہ حنین ابو کی وفات پہ آئی بھی نہیں نہ تعزیت کا فون کیا۔حنین نے جواب نہیں دیا۔وہ گلٹی تھی۔''

''مگر کس چیز پہ؟''

''یہی میں نے سوچا۔جس دن اس اوسی پی کو فون کیا گیا ہوگا' اسی دن ان کی موت ہوئی۔حنین موت کی اصل وجہ سے واقف نہیں تھی۔اس نے سمجھا کہ....کہ اس کی وجہ سے ہوا ہے یہ۔''

''تمہیں کیسے پتہ کہ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے؟''

''کیونکہ فاطمہ اس دن اس کا بورڈ کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا۔حنین مجھ سے کس بات پہ چڑتی تھی؟ جب میں نے اس سے اس کے رزلٹ کا پوچھا۔میں نے کہا تھا' آپ نے نقل مار کر تو ٹاپ نہیں کیا تھا کیا؟ فاطمہ...فاطمہ...اس نے نقل سے ہی ٹاپ کیا تھا۔اس نے ویڈیو ہٹانے کے لئے اس لڑکی کے باپ سے کیا مانگا ہوگا؟ اس نے بعد میں انجینئرنگ میں کیوں داخلہ نہیں لیا؟ وہ میرے منہ سے کون ساذکر سن کر میری طرف سے ان سیکیور فیل کرنے لگی' اتنا کہ اس نے مجھے یہ تاثر دیا جیسے غازی کو میری شکایت لگا رہی ہو۔وہ یہی راز چھپا رہی ہے۔'' اس نے ایکسائٹمنٹ سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''اتنی جھوٹی اور چالاک لڑکی میں نے پہلی دفعہ دیکھی ہے۔'' فاطمہ نے جھرجھری لی۔مسٹری حل ہو گئی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا' کوئی بھی کلین نہیں ہوتا۔'' مسکرا کر قطعیت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔فاطمہ نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔

''لیکن تم ان کی فیملی کے دوست ہو۔اس راز کا کیا کرو گے؟ یہ تو بے کار ہے تمہارے لئے۔'' وہ جو ایک پزل حل کر کے' فاتح اور مطمئن سا اٹھ رہا تھا' جاتے جاتے رک کر اسے دیکھا اور پھر زخمی سا مسکرایا۔

''ہر راز کی قیمت ہوتی ہے فاطمہ۔کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی طرح' وہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔'' چابیوں والا ہاتھ ہلا کر وہ باہر نکل گیا اور فاطمہ سوچتی رہ گئی۔

............❖❖❖............

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے' دھوپ زیادہ سائے کم ..... لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

سعدی یوسف کو اس کافی شاپ میں کام کرتے چوتھا روز ہونے کو آیا تھا۔ بوڑھے سنہالی روپا سنگھی نے ابھی تک اپنا نمبر آن نہیں کیا تھا۔

وہ کچھ دن میں کولمبو جا کر خود سے اس معاملے کی تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کامنی سعدی کے کام سے خوش تھی' اور چار دن میں اس نے دیکھا تھا کہ چار پانچ لوگ پلٹ کر آئے تھے اور اپنے ساتھ مزید مہمان بھی لائے تھے۔ کامنی کا بیٹا اسی طرح خاموش سا کونے میں بیٹھ کر سب کو دیکھتا رہتا تھا۔

اس صبح سعدی کچن میں کھڑا برتن ڈش واشر میں سیٹ کر رہا تھا جب اسے کامنی کی آواز سنائی دی۔

''یہ تو مونچو جتنا ہے۔'' سعدی ہاتھ پونچھتا باہر آیا تو دیکھا' وہ گردن اونچی کئے' ایک ہاتھ کمر پہ رکھے کھڑی افسردگی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''کینڈی میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔'' کامنی نے مڑے بغیر کہا۔ سعدی کی نظریں ٹی وی تک گئیں۔ ''تم نے نہیں دیکھا؟ صبح سے یہ خبر چینل پہ چل رہی ہے۔ غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ ایک عورت جاں بحق ہوگئی ہے' اور اس کا بچہ زخمی ہے۔ ہسپتال والے اس کا علاج نہیں کر رہے کیونکہ وہ غیر قانونی ہے۔''

''غیر قانونی'' لفظ پہ سعدی نظریں چراتا اندر کو مڑا جب وہ بولی۔

''بے چاری فلپینو عورتیں۔ نوکری کے لئے کتنے دھکے کھاتی ہیں۔ اور اس کے بچے کو کینسر ہے۔'' وہ ایک دم ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ ساکت۔ پھر دھیرے سے مڑا۔ نگاہیں اٹھائیں۔ اسکرین پہ اس بچے کی زخمی تصویر نظر آ رہی تھی۔

تصویر دیکھ کر اس کا سانس تھم گیا۔ وہ میری اینجیو کا بچہ تھا۔

کافی شاپ کی اوپری منزل پہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک پلنگ رکھا تھا۔ الماری کا دروازہ شیشے کا بنا تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا غسل خانہ تھا۔ کمرے میں کھڑکی نہ تھی۔ سعدی خاموش سا بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔ سوچیں دل و دماغ میں طوفان برپا کر رہی تھیں۔ شور ہی شور۔

پھر اس نے چہرہ اٹھایا اور الماری کے دروازے میں اپنا عکس دیکھا۔ ''استرا'' پھیرے سر اور بڑھی شیو والا سعدی پریشان نظر آتا تھا۔

''میری کا ہی بچہ ہے وہ' میں پہچانتا ہوں۔ مگر وہ تو امریکہ میں زیرِ علاج تھا نا۔ یہاں کیسے آ گیا؟''

آئینے میں اس کو اپنا عکس اسی طرح پلنگ کنارے بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے عقب میں .... ایک اور عکس ابھرا۔ وہ ٹی شرٹ پہنے' کلین شیو اور گھنگریالے بالوں والا سعدی تھا۔ پرانا سعدی۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ وہ امریکہ میں تھا؟''

''میری نے بتایا تھا۔'' بیڈ کنارے بیٹھے لڑکے نے احتجاج کیا۔

''میری نے تو یہ بھی کہا تھا کہ تم انڈیا میں ہو۔ میری کو خود بھی معلوم نہ ہو شاید کہ اس کا بیٹا ادھر ہی ہے۔ تم نے میری کو استعمال کر کے جیل توڑی' انہوں نے اس جرم کی پاداش میں میری اور اس کے بیٹے کو دھماکے میں حادثاتی موت کا شکار کرنا چاہا۔''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''یہ ٹریپ ہے۔ وہ مجھے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ میری کا بچہ بالکل ٹھیک ہوگا اور خود میری بھی۔''

''اور اگر ایسا نہ ہوا؟ اگر تمہاری وجہ سے وہ مر گئی ہو' اور اس کا بچہ آج بے یار و مددگار پڑا ہو تو پوچھ کس کی ہوگی' شفیع احمر؟'' گھنگریالے

بالوں والے لڑکے نے طنز اور ملامت سے پوچھا تھا۔

''میں اب تمہاری طرح نہیں رہا۔ میں بدل گیا ہوں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ یہ فصیح کا کوئی پلان ہے۔'' وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔

''لوگ نہیں بدلا کرتے۔ تم بھی نہیں بدل سکتے۔''

''شفیع....'' دروازہ کھٹکا تو وہ چونکا۔ چوکھٹ میں کامنی کھڑی تھی۔

سعدی نے چونک کر آئینے میں دیکھا۔ وہ عکس اب غائب ہو چکا تھا۔ وہ وہاں تنہا تھا۔

''نیچے آجاؤ۔ گاہک آئے ہیں۔'' وہ پلٹنے لگی جب اس نے اٹھتے ہوئے پکارا۔

''کامنی جی۔'' وہ ٹھہر کر مڑی اور استفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر.... یہ ممکن ہو.... ہوسکتا ہے کہ یہ ممکن ہو کہ کوئی دوسرا انسان مشکل میں ہو' اور اس کو بچانے کے لئے آپ کو اپنی جان خطرے میں ڈالنی پڑے تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟''

''انسان کو وہ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ ''انسان'' کہلاتا ہے' کیونکہ اگر وہ انسانیت نہیں دکھائے گا' خطرہ نہیں لے گا' تو وہ کیا انسان ہوا؟ میں نہیں جانتی تمہیں مگر تمہارے لئے خطرہ مول لیا نا۔ اب فائدہ ہی اٹھا رہی ہوں نا۔'' نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ کر وہ مڑ گئی اور سعدی یوسف کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ میری کے بیٹے کو ڈھونڈنے جائے گا۔ بھلے آگے کچھ بھی ہو۔

.....❖❖❖.....

تیرے نغمے تیری باتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی ..... ہمیں یہ چاندنی راتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی

اس صبح سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اپنے کمرے میں بیٹھی حنین' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' گھٹنوں پہ کمبل ڈالے' سست روی سے موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔ ان دو دنوں میں نہ فارس کا کوئی فون آیا۔ نہ سعدی نے امی کا اکاؤنٹ لاگ اِن کیا۔ اب وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟ اس نے بھائی کا گروپ کھولا جہاں کی وہ خود بھی ممبر تھی' بلکہ امی کو تو بھائی نے ادھر کا ایڈمن بنا رکھا تھا اور خود وہ وہاں اپنی قرآن میں تدبر کی ویڈیوز پوسٹ کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کی پرانی ویڈیوز دیکھتی رہی۔ پھر گروپ لیول چیک کی۔ لوگ اب بھی قرآنی آیات' لیکچرز اور اپنے اپنے تدبر پوسٹ کرتے تھے مگر سعدی والی بات کہاں تھی؟ وہ بے دلی سے وال پیپر کرتی گئی۔ دفعتاً ٹھٹکی۔ آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''ندرت ذوالفقار یوسف نے Ronald Weasley کو گروپ ممبر بنانے کی درخواست قبول کر لی ہے۔'' یہ ایک نوٹ تھی۔ اطلاع تھی۔

یعنی ایک شخص جس نے اپنا نام رونلڈ رکھا ہوا تھا' اس نے اس گروپ میں داخلے کی درخواست بھیجی اور اسے ندرت نے بطور ایڈمن قبول کر کے اسے گروپ میں داخل کر لیا۔ حنین بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ یہ پرسوں کی اطلاع تھی۔ پاسورڈ بدلنے سے بھی پہلے ندرت یوسف لی آئی ڈی یہ کام کر چکی تھی۔ سعدی ایک دفعہ زمر کے موک ٹائرل میں رونلڈ ویزلی (ہیری پورٹر کا ایک کردار) بنا تھا۔ ندرت تو اس گروپ کو پیک بھی نہیں کرتی تھیں' کجا کہ داخلے کی درخواست قبول یا رد کرنا۔ دوسرے ایڈمنز یہ کام کرتے تھے۔

دو دن سے وہ رونلڈ ویزلی چند آیات پوسٹ کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی اور ان کے بارے میں اپنے ''ریفلیکشن'' لکھتا تھا۔ اسے کسی نے خاص توجہ نہیں دی تھی۔ دو چار لائکس آ گئے' اور دو تین ''سبحان اللہ' جزاک اللہ'' لکھ کر لوگ آگے بڑھ گئے' مگر حنین نہیں بڑھ سکی۔ وہ وہیں تھم گئی۔ بالکل ساکت و جامد۔

وہ آئی ڈی گویا خالی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا اس میں۔ وہ اسے صرف گروپ میں پوسٹ کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی تقریباً آدھی آیات اس نے لکھ ڈالی تھیں' پھر رک گیا تھا۔ شاید اس کے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ شاید وہ اب قرآن نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک انداز پہچانتی تھی۔ وہ اس کا بھائی تھا۔

حنین نے نم آنکھوں کے ساتھ اسکرین کو چھوا۔ اس نے پروفائل پکچر میں گلاب کا پھول لگا رکھا تھا جس کا سرخ خون بہہ رہا تھا۔

انسان جس بھی حالت میں ہو' قید ہو' یا آزاد ہو' وہ اپنی عادتیں نہیں چھوڑ سکتا تھا، وہ بھی خود کو بیان کرنے کے انوکھے طریقے نہیں چھوڑ سکا تھا۔

سرخ خون گراتا گلاب۔ اس ایک تصویر نے ہر شے کی عکاسی کر دی تھی۔ ایکدم اسکرین پہ ایک نمبر جلنے بجھنے لگا۔ میمونہ کی کال آ رہی تھی۔ حنین نے آنکھیں صاف کر کے فون کان سے لگایا۔ وہ اس کی ''نگہبان'' تھی۔ اس کو وہ روز رپورٹ کرتی تھی کہ آج اس نے کتنی نمازیں پڑھیں اور ماہِ کامل کی صبح سے ان کی تعداد پانچ ہی ہوتی تھی۔ کل کی بھی پانچ تھیں۔ اس نے بہت ادب سے پچھلے دن کی رپورٹ پیش کی۔

''اللہ تمہیں اپنی نماز کی حفاظت کرنے والی اور ان پہ دوام اختیار کرنے والی بنائے۔ آمین۔'' میمونہ نے فوراً سے دعا دی' پھر پوچھنے لگی۔ ''اور تم اپنا قرآن کس وقت دہراتی ہو؟''

''جی؟'' وہ بالکل دم بخود رہ گئی' پھر خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ ''میں حافظِ قرآن نہیں ہوں' صرف چند سیپارے کئے تھے۔''

''حنین ہر مسلمان حافظِ قرآن ہوتا ہے اگر اس نے ایک آیت بھی حفظ کر رکھی ہو۔ چاہے صرف سورۃ فاتحہ' چاہے آخری چند سورتیں۔ کچھ بھی اگر اس نے یاد کیا ہے کبھی تو وہ اسے ساری زندگی ''نبھانا'' پڑے گا۔ تم ''نبھا'' رہی ہو؟''

وہ چپ ہو گئی۔ میمونہ چند لمحے اس کے سانسوں کی آواز سنتی رہی۔

''میں نے بہت سے مسلمان دیکھے ہیں جو قرآن یاد کر کے بھول جاتے ہیں۔ پھر ان کی زندگیاں حقیقی سکون سے محروم ہو جاتی ہیں۔ ذہنی توازن کھو دیتے ہیں' کچھ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں' کچھ دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن اکثر مسلمانوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی حفاظ کی کیٹگری میں آ گئے ہیں اگرچہ انہوں نے صرف کبھی الناس اور الفلق ہی یاد کی ہو۔''

''تو پھر ایسے لوگ کیا کریں؟'' وہ بے چینی سے بولی۔

''وہ دو باتیں ذہن میں پکی بٹھا لیں۔ پہلی یہ کہ انہیں دنیا اور آخرت کا سارا سکون اور کامیابی تب تک نہیں ملے گی جب تک وہ واپس اس قرآن کو یاد نہیں کریں گے۔ اور دوسری بات' اگر انہیں لگتا ہے کہ عمر بڑھنے اور مصروفیات کی زیادتی کے باعث وہ اب آ کر قرآن حفظ نہیں کر سکتے تو وہ غلط ہیں۔ قرآن ستر سال کی عمر میں بھی حفظ کیا جا سکتا ہے اگر بندے کے دل میں اللہ کی خشعیت ہو۔''

''مجھ سے اب نہیں ہو گا۔'' اس نے خود ہی طے کر لیا تھا۔

''ہو گا نہیں حنین' کرنا پڑے گا۔ آہستہ آہستہ شروع کرو۔ اللہ کہتا ہے نا' کہ ''اس کو یاد کروانا ہمارے ذمے ہے۔'' اور یہ کہ ''ہم اسے آپ کو ایسے پڑھا دیں گے کہ پھر آپ نہیں بھولیں گے۔'' تم شروع کرو گی دوبارہ حفظ کرنا اور اسے مکمل اللہ تعالیٰ کروائے گا۔'' میمونہ بہت سلجھی ہوئی اچھی لڑکی تھی۔ سمجھداری کی باتیں کرتی تھی۔ مگر اتنی اچھی باتیں کر لیتی ہو گی' حنہ کو پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔ اس کے دل میں امید سی بندھی۔

''اوکے میں کوشش کروں گی۔''

''اور کس وقت کرو گی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وقت ہی تو اہم ہے۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ''بے شک رات کا اٹھنا (تہجد میں اٹھنا) زیادہ شدید ہے نفس کو قابو کرنے کے لئے اور کلامِ پاک کو پڑھنے کے لئے۔ بے شک دن میں آپ کے لئے مصروفیات ہیں طویل۔''

''اسی لئے.... قرآن فجر کے وقت ضرور پڑھنا چاہیے؟ منہ اندھیرے؟''

''حفظ کا تو وقت وہی ہوتا ہے۔کیا تم نے وہ قول سنا ہے کہ حفظ کا بہترین وقت تہجد کا ہے' مطالعے کے لئے صبح کا وقت' لکھنے کے لئے دن کا وقت اور بحث ومباحثے کے لئے شام کا وقت۔''

''اچھا۔'' وہ متعجب ہوئی۔پھر بولی۔''اوکے۔میں روز صبح فجر کے وقت اپنا قرآن دہراؤں گی۔''

''اور تمہیں کس نے یہ کہا ہے کہ قرآن صرف صفحے پہ ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے دہرا لینے سے یاد ہو جاتا ہے؟'' میمونہ نرمی سے سوال پوچھتی تھی' ٹوکتی کم تھی' مگر حنین چپ سی ہو جاتی تھی۔

''پھر کیسے یاد ہوتا ہے؟''

''قرآن یاد ہوتا ہے کسی انسان کو روز سنانے سے' اور پکا ہوتا ہے نماز میں روز اللہ کو سنانے سے۔خود سے خالی خولی دہرا لینے سے کچھ یاد نہیں ہو جاتا۔تم یوں کرو روز کا سبق اور پچھلا سبق مجھے فجر پہ سنا دیا کرو۔'' وہ دو چھوٹے بچوں کی ماں تھی' پھر بھی یوں کہہ رہی تھی گویا سبق سننا اس کے لئے مسئلہ ہی نہ ہو۔

''اوکے' میں نے آخری دس پارے کئے تھے یاد۔پھر کل میں اکیسویں سیپارے سے سناؤں گی۔'' وہ بھی جانے کیوں پرجوش ہو گئی تھی۔

''اور حنین' جب حافظِ قرآن اپنا قرآن بھول جاتے ہیں تو وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ قرآن اول پارے سے نہیں یاد کیا جاتا' آخر سے کیا جاتا ہے۔تم کل مجھے صرف الناس اور الفلق سناؤ گی۔'' وہ سارے فیصلے خود ہی کر رہی تھی' مگر اچھی بات ہے۔کچھ باتوں کے لئے ہمیں خود پہ سختی کروانی پڑتی ہے۔

''اوکے' کل سے میں الناس سے شروع کروں گی۔'' پھر ٹھہر کر بولی۔''میمونہ باجی' ہو سکتا ہے میں....اصل میں میرا بھائی....وہ نہیں ہے اور میں پریشان رہتی ہوں' تو کبھی ہو سکتا ہے سبق نہ کر سکوں تو....''

''تمہیں پتہ ہے لوگ مجھ سے اکثر پوچھ لیتے ہیں....میں سائیکولوجسٹ ہوں نا' تو وہ اکثر پوچھتے ہیں کہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں' قرآن بھی' پھر حاجتیں کیوں نہیں پوری ہوتیں؟ دولت' اولاد' اچھا رشتہ' اچھی نوکری' عزت' یہ سب کیوں نہیں ملتا۔میں کہتی ہوں' ان سب کے لئے قرآن اور نماز نہیں پڑھتے ہم۔اور یہ سب نماز اور قرآن سے نہیں ملتا۔یہ دعا سے ملتا ہے۔دنیا کے سوا چھے ارب انسانوں کے پاس خواہشات کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے' مگر قرآن آپ کو وہ سب نہیں دے گا۔قرآن آپ کو وہ دے گا جس کے لئے آپ یہ سب چاہتے ہیں۔سکون اور برکت۔میں لوگوں سے کہتی ہوں' قرآن حفظ کرنا شروع کر دیں' روز کی ایک آیت کریں' آپ سوچ نہیں سکتے آپ کی زندگی کتنی با برکت ہو جائے گی۔حنین تم حفظ شروع کرو' پہلے تو بڑوں کی زبردستی پہ کیا تھا تم نے حفظ' اب دل سے کرو گی تو دیکھو گی کہ تمہاری گھر میں وہ برکت اور وہ نور آ گیا ہے جس کے لئے لوگ مال' اولاد' خوبصورتی' اسٹیٹس' طاقت سب ہو کر بھی ترستے ہیں۔تمہاری زندگی ''بابرکت'' ہو جائے گی۔تم آنکھیں بند کر کے میری بات پہ یقین کر لو۔میں تجربے سے کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔''یعنی اب میں پریشان نہیں ہوا کروں گی۔''

''ہو گی بھی تو قرآن تمہیں دلاسا دے دے گا۔'' اور یہ تسلی حنین کے لئے کافی تھی۔ان گزرے چار دنوں میں پہلی دفعہ وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگی تھی۔

.....❖❖❖.....

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے ..... وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

وہ ہسپتال جہاں میری کا بچہ مبینہ طور پہ داخل تھا' کافی شاپ سے تیس پینتیس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔وہ اس سے ذرا دور ٹک ٹک ے

اتر گیا تھا۔نقشہ ذہن نشین کر کے نکلا تھا۔سر پہ پی کیپ پہنے وہ محتاط نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتا چل رہا تھا۔ہسپتال پہاڑی پہ اونچائی کی طرف تھا۔وہ سڑک کی بجائے دوسری طرف سے پہاڑی پہ چڑھنے لگا تھا۔گو کہ وہ میری ایجنیو کے لئے فکر مند تھا مگر وہ محتاط بھی تھا۔

وہ شام کا وقت تھا۔دور چائے کے باغات سے آتی سوندھی مہک نے سرسبز پہاڑیوں کو مزید سحر انگیز بنا دیا تھا۔کہیں کہیں بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ایسے میں وہ خاردار اور دشوار ڈھلان پہ اپنے جوگرز کی مدد سے چڑھتا جا رہا تھا۔ذرا اونچائی پہ آ کر اسے ہسپتال کی عمارت دور سے دکھائی دینے لگی تھی۔وہاں کچھ بھی غیر متوقع نہ لگتا تھا۔معمول کا رش تھا۔سب ٹھیک تھا۔

لیکن سعدی نے سر جھٹک دیا۔اسے کامنی کی بات پہ عمل کرنا تھا۔انسان کو انسان کے لئے خطرے مول لینے ہوتے ہیں۔اگر وہ آج نہیں گیا تو ساری عمر پچھتائے گا' اور پہلے زندگی میں پچھتاوے کم تھے جو مزید بوجھ اٹھاتا؟ کامنی نے بھی تو اس کے لئے خطرہ مول لیا تھا نا۔

اور یکدم کسی نے جیسے ٹھنڈی ٹھار برف سعدی کے اوپر گرا دی۔ایک خیال نے اسے منجمد کر دیا۔وہ بالکل ٹھہر گیا۔

لیکن کامنی تو غلط تھی! وہ کوئی ناکام عاشق تو نہیں تھا۔وہ تو جھوٹی کہانی تھی۔وہ ایک قاتل تھا اور ان کو دھوکہ دے رہا تھا۔وہ ایک دم چونکا۔کامنی نے غلط کیا تھا۔وہ بھی غلط کر رہا تھا۔

ایک دم سے ساری تصویر اس کے اوپر واضح ہو گئی۔کیبل نیٹ ورک میں سے کسی کو خرید کر ایک پٹی چلانا اور بار بار ایک تصویر دکھانا کیا مشکل تھا؟ فصیح جیسے لوگ تو ٹی وی چینلز کو خرید سکتے تھے' یہ سب تو بہت آسان تھا۔

وہ ایک دم تیزی سے پلٹا اور سبک قدموں سے ڈھلان اترنے لگا۔تیز' مزید تیز۔یہاں تک کہ اس کا سانس بے ترتیب ہونے لگا مگر رفتار بڑھتی گئی۔یہ سب ایک پھندا تھا' وہ جان گیا تھا۔اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا اور اب اسے جلد از جلد وہاں سے نکلنا تھا۔

وہ پہاڑی سے اتر کر سڑک پہ آ گیا اور سر جھکائے' تیز تیز چلنے لگا مگر جلد ہی اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے۔اس نے مڑ کر دیکھا۔کوئی نہیں تھا۔مگر کوئی تھا۔سعدی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔وہ مزید تیز چلنے لگا۔اس کی حساسیت اب پہلے سے کہیں تیز ہو چکی تھی۔کوئی اس کے عقب میں تھا۔فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا مگر سعدی اس کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

جلد ہی بازار کا رش والا حصہ شروع ہو گیا۔وہ اب تیزی سے لوگوں کے درمیان راستہ بناتا' قریباً بھاگنے لگا تھا۔مگر کوئی مسلسل اس کے تعاقب میں تھا' سعدی یوسف کی چھٹی حس بار بار سرخ سگنل بجا رہی تھی اور اس کے سینے میں دھڑکتے دل کی رفتار بے قابو ہو رہی تھی۔

ایک گلی کا موڑ مڑ کر وہ ایک دم بھاگنے لگا۔اندھا دھند۔آگے پیچھے کے لوگوں کو ہاتھ سے پرے ہٹاتا' وہ بے قابو تنفس' اور سفید پڑے چہرے کے ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔وہ دیکھ لیا گیا ہے' وہ پکڑ لیا گیا ہے' یہ خیال جان لیوا تھا۔

بازار کی حدود سے وہ نکلا تو ایک کالونی شروع ہو گئی' جیسے مری میں ہوتی ہیں۔اونچی نیچی ڈھلان والی سڑک۔وہ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتا بھاگ رہا تھا' دفعتاً احساس ہوا کہ پیچھے اب کوئی نہیں ہے۔وہ گلی میں تنہا تھا۔شام ڈھلتی جا رہی تھی۔مغرب کی نیلاہٹ گہری ہو رہی تھی۔ایسے میں وہ رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔اسٹریٹ میں سکون تھا۔سکوت۔سب ٹھیک تھا۔سرخ الارم بند ہو گیا تھا۔اس کا تعاقب کار اب وہاں نہیں تھا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ واپس مڑا تو کسی نے زور سے اس کے منہ پہ مکا دے مارا۔سعدی دہرا ہو کر نیچے کو گرا۔اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔پتھریلی سڑک پہ ہاتھ رکھ کر اس نے سر اٹھانا چاہا۔تعاقب کار کے جوگرز اسے صاف نظر آ رہے تھے۔مگر اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتا' اس شخص نے یکے بعد دیگرے بوٹ اور مکے سے دو تین ضربیں رسید کیں۔چند لمحوں کے لئے سعدی یوسف کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ہر شے' ہر احساس' سن ہو کر رہ گیا جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔جیسے موت آن پہنچی تھی....اور وہ ایک بے حس و حرکت لاش بن چکا تھا۔

اسے اتنا احساس ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بند اور گردن ڈھلکی ہوئی ہے۔اور کوئی اسے کندھوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف لے

کر جارہا ہے۔رات گہری ہورہی تھی۔بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برس رہی تھیں۔اس کی آنکھوں پہ بادلوں سے برستی نمی پڑی تو ذہن کی تاریکی چھٹنے لگی۔تعاقب کار نے سعدی کو درختوں کے ایک جھنڈ سے گزار کر کچی زمین اور گھاس پہ ایک طرف لا پھینکا تھا۔سامنے ایک جھیل تھی' گھپ اندھیرے میں وہ جگہ کینڈی کی درجنوں جھیلوں کی طرح سنسان پڑی تھی۔تکلیف کے باوجود سعدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے تیزی سے اٹھنا چاہا۔مگر.....جیب خالی تھی۔

''کیا تم اس پستول کو ڈھونڈ رہے ہو' سعدی یوسف؟'' وہ جو گھٹنوں کے بل زمین پہ ہتھیلیاں رکھے اٹھنے لگا تھا' اپنے سامنے اس کی پستول لہرانے پہ....وہ بالکل ٹھہر گیا۔منجمد ہو گیا۔اور پھر اس نے شکست سے سر گرا دیا۔اسی طرح زمین پہ گرے ہوئے' جھکے ہوئے گہرے گہرے سانس لیتا۔وہ گویا ڈھے چکا تھا۔وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔

''تو کیا لگا تھا تمہیں؟ میرے ساتھ یہ گیمز کھیل کر تم چھپ جاؤ گے؟ تمہیں لگا میں تمہیں نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔'' غصے سے بولتے اس نے سعدی کے اس کندھے پہ بوٹ مارا جس پہ نوشیرواں نے گولی ماری تھی۔درد کی ایک لہر اٹھی تھی جسے دبانے کو اس نے دانت پیستے ہوئے سر مزید نیہوا ڑ دیا۔

''تمہیں معلوم ہے میرے لئے کیبل نیٹ ورک پہ ایک خبر چلانا کتنا آسان تھا؟ تمہیں واقعی لگا میں تمہیں تمہارے ہول سے نہیں نکال سکتا؟'' وہ اس کے گرد طواف میں گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا' اور بات ختم کر کے اس نے زور سے اس کی ٹانگ پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔بالکل وہاں جہاں شیرو نے گولی ماری تھی۔سعدی کراہ کر مزید دہرا ہو گیا۔بارش اسی طرح ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔

''پھر بھی مجھے لگا تم نہیں آؤ گے۔مجھے اپنی تلاش میں مزید خوار کرو گے۔مگر نہیں...میری اینجیو اور اس کا بچہ تمہارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ان کے لئے تم آئے۔'' اور پھر اس کی کمر پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا' اس ٹھوکر پہ درد سے مزید آگے کو جھک گیا' مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔بس ہتھیلیوں سے زمین پہ رینگنے لگا۔بمشکل چند قدم آگے بڑھ پایا کہ...

''میں کتنا خوار ہوا تمہاری تلاش میں اور تم۔یہاں کینڈی میں چھپے بیٹھے ہو۔تمہیں واقعی لگا کہ تم مجھ سے چھپ سکتے ہو؟'' اس نے سعدی کو گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا اور جھیل کے پانی میں اس کا چہرہ ڈبو دیا۔ساتھ ہی وہ غصے سے بولتا جارہا تھا۔''تمہیں لگا میں تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا؟ تمہیں لگا تم یوں چھپ کر بیٹھ جاؤ گے اور سب صحیح ہو جائے گا؟ بزدل انسان۔''

اسے زور کی ڈبکی دے کر اس نے اس کا سر نکالا اور چھوڑ کر سامنے جا کھڑا ہوا۔سعدی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔بس گیلا چہرہ اوپر کر کے' آنکھیں موندے' گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

''آٹھ ماہ...آٹھ ماہ میں نے...قید میں سوچا...'' سعدی نے نیم غنودہ سی آنکھیں کھول کر نقاہت سے سامنے افق پہ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر کہنا چاہا۔''کہ وہ لمحہ کیا ہوگا۔جب ہم ملیں گے۔مجھے لگا تھا...آپ مجھے گلے سے لگائیں گے' مگر...مگر آپ تو مجھے مار رہے ہیں' فارس ماموں!''

اور یہ کہنے کے ساتھ سعدی نے بھیگی آنکھوں کا رخ پھیرا اور اسے دیکھا۔جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔جھیل کی طرف پشت کئے...اور سعدی کی طرف چہرہ کئے...وہ اس کے سامنے کھڑا تھا...جینز کے اوپر بھوری جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔بال اسی طرح چھوٹے تھے اور ماتھے پہ بل تھے...وہ اس کے سامنے کھڑا تھا...دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے' وہ سنہری آنکھوں میں شدید غصہ لئے اسے گھور رہا تھا...اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کی برہمی صاف دکھائی دیتی تھی...وہ اس کے سامنے کھڑا تھا...تڑ تڑ برستی بارش اس کو بھگو رہی تھی...اس کے خفا چہرے پہ پانی کے قطرے لڑھک رہے تھے۔

فارس غازی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''کیوں؟''اس نے تکان سے فارس کا چہرہ دیکھ کر دہرایا۔''آپ کیوں مجھے مار رہے ہیں؟''

اس بات پہ فارس مڑ گیا' سعدی کی طرف کمر کر لی' اور پھر تیزی سے واپس گھوما اور زور کا مکا سعدی کے جبڑے پہ دے مارا۔''کیونکہ تم اسی قابل ہو!''

یہ پہلی چوٹ تھی جو بری طرح سے لگی تھی۔سعدی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھے' چہرہ جھکا دیا۔شدید درد سے آنکھیں میچ لیں۔پانی کے قطرے اسکے چہرے پہ مسلسل گر رہے تھے اور لبوں سے خون رسنے لگا تھا۔بہت سا پانی آنکھوں میں بھی جمع ہو رہا تھا مگر ہر آنسو۔۔۔اذیت کا آنسو نہیں ہوتا۔نہ وہ خوشی کا ہوتا ہے' نہ دعاؤں کی قبولیت کا' نہ محبت کا' نہ شکوے کا۔وہ بس آنسو ہوتا ہے اور اسے بہنا ہوتا ہے۔

''میں سمجھا....''سعدی نے چہرہ جھکائے..آستین سے منہ رگڑا۔''یہ فصیح ہوگا۔''

''وہ تمہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔جو اسے معلوم ہو ہمارا یونیورسل رحم دل سعدی کس بات پہ نکلے گا اپنے ہول سے۔''طنزیہ سا وہ غرایا تھا۔''میری اینجیو۔اور اس کا بیٹا۔''دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے''بہت ہو گیا''والے انداز میں کہا۔''بس یہی دو اہم لوگ رہ گئے تھے تمہاری زندگی میں جو ان کے لئے خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے۔اور تمہارا خاندان؟ تمہاری ماں' تمہارے بہن بھائی' وہ سب جو تمہاری ایک کال کے لئے ترس رہے تھے' ان کا کیا؟ ہاں؟''اور بات کے اختتام پہ' فارس آگے آیا' اور اس کو گدی سے پکڑ کر سر کو نیچے جھکا کر گویا جھنجوڑا' پھر جھٹکے سے اسے چھوڑا۔سعدی نے جھکا سر نہیں اٹھایا۔آنسو اسکے چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔بارش کے قطروں جیسے آنسو۔

''بزدل انسان۔''وہ اب اس کی جانب پشت کر کے اور جھیل کی طرف چہرہ کئے دور جا کھڑا ہوا تھا۔وہ خفا تھا' وہ غصے میں تھا۔

''اگر کوئی چیز میں تمہیں بھیج سکتا ہوں تو کیا یہ نہیں جان سکتا کہ تم وہاں سے بھاگ گئے ہو؟ کیا ایک پیغام نہیں چھوڑ سکتے تھے تم میرے لئے؟ ہزار طریقے تھے پیغام دینے کے مگر نہیں۔''اس کی سنہری آنکھیں جو جھیل کے پانی پہ جمی تھیں' ان میں دکھ سا ابھرا۔''تمہیں لگا' فارس تمہارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔''

سعدی نے گیلی آنکھیں اور گیلا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ اس کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔پہلو میں گرے دائیں ہاتھ کی پشت پہ سعدی کا خون لگا تھا۔

''تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی کہ میں آؤں گا۔تمہیں لگا ہی نہیں کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔تم نے سوچا اگر وہ آٹھ ماہ نہیں آیا تو اب کیا آئے گا؟ مگر جنگ وہ جیتتا ہے سعدی یوسف جسے معلوم ہوتا ہے کہ کب لڑنا ہے اور کب نہیں لڑنا۔''

سعدی گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔گیلے کیچڑ والی زمین پہ۔اب آہستہ سے اٹھا۔انگ انگ دکھ رہا تھا۔مگر کراہ نہیں نکلی۔ہر مار بری نہیں لگتی۔کوئی اچھی بھی لگتی ہے۔کوئی مارنے والا بھی اچھا لگتا ہے۔

''لیکن اگر تم میں اتنی عقل ہوتی تو میرے پاس آتے پہلے دن' مگر نہیں..تم کاردارز کے پاس چلے گئے۔ان کو کنفرنٹ کرنے۔تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی سعدی۔''وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔سعدی قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔اس کے ہونٹ سے خون ہنوز رس رہا تھا۔وہ فارس کو دیکھ رہا تھا اور فارس ابرو بھینچے' ماتھے پہ بل لئے' سامنے جھیل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''پہلے بھی تم نے یہی کیا' ہر چیز اکیلے کرنی چاہی۔اور اب بھی تمہیں لگا کہ تم یوں....''

سعدی آگے بڑھا اور اس کے گلے لگ کر' اسکے کندھے پہ اپنی آنکھیں رکھ کر...رونے لگا۔چھوٹے بچوں کی طرح....آواز سے ....سسکیوں سے ہچکیوں سے....

فارس کے الفاظ خود بخود ٹوٹ گئے۔اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔نگاہوں میں نرمی سے ابھری۔غصے کا ابال ٹھنڈا ہوا۔چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا' پھر ہلکا سا اس کے کندھے کو تھپکا۔''اچھا بس ٹھیک ہے۔''آواز میں وہی سختی تھی۔پھر چہرے کو دوبارہ برہم بنا لیا'

پیشانی کی سلوٹیں واپس لے آیا' اور اسے شانوں سے پکڑ کر پرے کیا۔

''اچھا۔اب دور ہٹو۔میری بیوی پہلے ہی مجھ پہ شک کرتی ہے۔'' اکتا کر کہتا وہ مڑ گیا' سعدی کو اس کی آواز گیلی لگی تھی' مگر اس نے فارس سے نظریں نہیں ملائیں۔ ملا نہیں سکا۔ بس چہرہ جھکائے' اپنی آنکھیں رگڑنے لگا۔ آنسو ابھی تک امڈ امڈ کر آ رہے تھے اور وہ کہیں دور ....سندر بن کے کسی گھنے جنگل میں.....بے خوف ہو کر....کسی درخت تلے بیٹھ کر....ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا۔

..................❖❖❖..................

آہ یہ ظالم تلخ حقیقت جتنے سفینے غرق ہوئے ...... اکثر اپنی موج میں ڈوبے' طوفان سے ٹکرائے کم

اس پرتعیش ریسٹورانٹ کے ماحول کو مدھم زرد بتیوں نے پرفسوں اور سحر انگیز بنا رکھا تھا۔ اس کارنر ٹیبل پہ رکھے اسٹینڈ میں کھڑی تینوں موم بتیاں روشن تھیں اور ان کے دونوں اطراف میں بیٹھے ہارون اور جواہرات ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کھانا ابھی تک نہیں آیا تھا مگر جواہرات یہاں کھانا کھانے نہیں آئی تھی۔

سلک کی سبز قمیض میں' بالوں کو سمیٹ کر چہرے کے دائیں طرف ڈالے' وہ گہرا میک اپ اور قیمتی نگینے پہنے ہوئے تھی۔ ہارون کا سوٹ گہرا نیلا تھا' اور سرمئی آنکھیں وہ کبھی جواہرات پہ ڈال لیتے کبھی اپنے فون پہ۔

''جو تمہاری مخالف کے ساتھ میں نے کروایا' اس پہ تم نے شکریہ نہیں کہا۔'' مسکارے سے لدی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ گلہ کرنے لگی۔

''میں نے تمہیں کچھ بھی کرنے کو نہیں کہا تھا۔'' جواہرات کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں بے چینی جھلکی۔ ''مگر میں نے تمہارا انتقام لیا اس سے۔ اس نے تمہاری....''

''جب میں نے تمہیں کہا ہی نہیں تو تم مجھے کیوں جتا رہی ہو؟ تم نے جو کیا اپنے لئے کیا۔'' شانے اچکا کر انہوں نے گلاس سے گھونٹ بھرا۔ جواہرات پیچھے ہو کر بیٹھی' اور سینے پہ بازو لپیٹے' تیکھی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ ''تمہارا رویہ بدلا بدلا سا ہے۔''

ہارون نے گلاس رکھ کر سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''تمہارا بیٹا میرے گھر میں گھس کر.....مجھے ہی دھمکی دے کر جاتا ہے اور تم کہتی ہو کہ میرا رویہ بدل گیا ہے؟''

جواہرات کے تاثر نرم پڑے' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''میں اس کے لئے معذرت کر چکی ہوں۔ میں نے ہاشم کا ساتھ صرف اس لئے دیا تاکہ اس کو شک نہ ہو کہ سعدی کو مارنے کے لئے گارڈ کو ہم نے بھیجا تھا۔''

''ہم نے نہیں' تم نے بھیجا تھا۔ میں ان معاملوں میں شریک نہیں ہوں' صرف تمہارے لئے اپنے بندے پیش کر دیتا ہوں۔'' انہوں نے سختی سے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''اچھا ٹھیک ہے' ہو گیا جو ہونا تھا۔'' اس کا انداز بہلانے کا سا تھا۔ نرمی سے ان کے ہاتھ کو دبا کر بولی۔ ''اب وہ سب ماضی میں رہ گیا۔ کیوں نا ہم اب مستقبل کی بات کریں۔'' ہارون نے ایک نظر اس کے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ کو دیکھا جو ان کے ہاتھ پہ بہت لجاجت سے رکھا گیا تھا۔ پھر گہری سانس لے کر چہرے کی سلوٹیں ذرا کم کیں۔

''مستقبل؟ تمہارے ساتھ مستقبل گزارنے کے لئے مجھے تمہارا اعتماد کمانا تھا جو تم بھیک میں بھی نہیں دیا کرتیں۔''

''کیا تمہیں لگتا ہے تم نے ابھی تک میرا اعتماد نہیں کمایا؟'' وہ مسکرا کر بولی تو ہارون ذرا سا مسکرائے۔ ''کیا میں نے کما لیا ہے؟''

''جس طرح تم نے اپنے بندے میرے لئے پیش کئے' میرا ساتھ دیا' اس.....دردِ سر جیسے مسئلے سے نپٹنے کے لئے....میرے دل میں تمہاری قدر مزید بڑھ گئی ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ہم ماضی کی ساری تلخ یادیں بھلا کر اپنے مستقبل کو تعمیر کریں۔'' زرد روشنیوں سے مزین پر

نسوں ماحول میں وہ آس پاس لگی محفل سے بے نیاز' بے خبر' آنکھیں ان کی آنکھوں پہ جمائے ہوئے تھی۔ ''میں چاہتی ہوں ہارون' کہ میں اورنگزیب کے دیے سارے زخموں کو اپنے دل سے کھرچ کر تمہارے ساتھ زندگی کا ایک نیا باب شروع کروں۔ہم دونوں ''ایک'' بن کر اپنے ambitions کے لئے جدوجہد کریں۔دولت' طاقت' اپنی ہر شے کو اکٹھا کر لیں' اور مل کر اپنے طبقے پہ حکمرانی کریں۔'' اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ہارون نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اور تمہارے بیٹے؟''

''وہ کھلے ذہن کے ہیں۔ان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ہمیں اس مہینے کوئی اناؤنسمنٹ کر دینی چاہیے تاکہ ہمارے حلقہ احباب میں سب کو پتہ چل جائے کہ میں....'' وہ جوش سے کہہ رہی تھی جب....

''اور میرا اعتماد؟'' انہوں نے سکون سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ملکہ بولتے بولتے رکی۔ہارون پہ جمی اس کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

''میرا اعتماد جواہرات؟ تم نے اسے کمایا ہے کیا؟''

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

''جو عورت اپنے محبوب بیٹے سے جھوٹ بولے' وہ قیدی جس کو اس نے اپنی امان میں لے رکھا تھا اس کو مروانے کی سازش کرے' جو اپنے شوہر سے شادی کے دوران بھی اپنے ایک کزن سے تعلق قائم رکھے' انکار مت کرنا کیونکہ بہت سے لوگ اس قصے سے بھی واقف ہیں۔ میں اس عورت پہ کیسے اعتبار کر سکتا ہوں؟''

وہ بالکل پتھر ہوئی' بنا پلک جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھی۔گویا ریت کا مجسمہ ہو۔ہاتھ لگانے سے ڈھے جائے گی۔

''تمہیں لگا تھا' میں تمہیں اپنا لوں گا؟'' وہ اس کے قریب جھکے' اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔''کیا تمہیں وہ وقت بھول گیا جب میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا اور تم نے انکار کیا تھا؟ تم مجھے خود اس مقام تک لائی تھی جہاں آ کر میں تمہیں انگوٹھی پیش کر سکوں اور پھر جب میں نے یہ کیا تو تم نے مجھے دھتکار دیا۔'' اس کے کان کے قریب وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے اور وہ بالکل پتھر ہوئی سن رہی تھی۔

''میں نے تمہارا ساتھ تمہارا اعتماد کمانے کے لئے نہیں دیا' تمہیں اس مقام تک لانے کے لئے دیا تھا جہاں تم مجھے انگوٹھی پیش کرو اور میں تمہیں دھتکار سکوں۔اور تمہارا احسان لوٹا سکوں۔میں خوش ہوں کہ تم نے مجھے انکار کیا۔تمہارے جیسی ذہنی مریض عورت کے ساتھ زندگی گزارتا تو شاید میں بھی اورنگزیب کی طرح قبر میں پڑا ہوتا۔تمہیں لگا ہم دوست ہیں مگر بیگم جواہرات کاردار....'' ان کی آواز سرگوشی سے بھی ہلکی تھی۔''میں تم سے نفرت کرتا ہوں' اور بہت جلد بہت دلچسپی سے تمہاری اور تمہارے خاندان کی بربادی کا تماشا دیکھوں گا' کیونکہ تم نے میری سیاسی حریف کا اسکینڈل بنوا کر اسے اپنا دشمن تو بنایا ہی ہے' مگر اس کے علاوہ بھی تم اپنے ایسے دشمنوں سے ناواقف ہو جن میں تمہیں چت کرنے کا ٹیلنٹ موجود ہے۔جلد ہم تماشا دیکھیں گے' لیڈی کاردار۔'' کہنے کے ساتھ اس کے ہاتھ کو جھٹک کر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھ گئے۔وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ' بے دم سی بیٹھی' ویران آنکھوں سے سامنے خلا میں دیکھ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

شاید خوشی کا دور بھی آجائے اے عدم ..... غم بھی تو مل گئے ہیں تمنا کے بغیر

کینڈی میں بارش اب تھم چکی تھی۔رات پوری طرح سیاہ ہو چکی تھی اور شہر کی بتیاں جل اٹھی تھیں گویا دور دور تک ٹمٹماتے سنہری دیے بکھرے ہوں۔ایسے میں پہاڑی کے اوپر ایک مندر سا بنا تھا' جس کے باہر چوڑی اور طویل سیڑھیاں بنی تھیں۔عبادت اور سیاحت کے لئے آئے لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہے تھے' کچھ کھڑے تصاویر بنوا رہے تھے' غرض ہر طرف گہما گہمی تھی۔آخری سے اوپر سیڑھی پہ سعدی بیٹھا تھا اور ٹشو سے پھٹا ہوا' جمے خون والا ہونٹ دبا رہا تھا۔فارس چلتا ہوا آیا اور آئس پیک اور مرہم کا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

''سوری' اس کے لئے۔'' اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ کس چوٹ کی بات کر رہا تھا۔ سعدی نے جل کر اسے دیکھا اور رکھائی سے اس کے ہاتھ سے شاپر لیا۔

''ہاں صرف اس کے لئے سوری' باقی جو دو سو پچھتر چوٹیں لگائیں' ان کی تو خیر ہے' وہ تو آپ کے لیے لہو گرم رکھنے کے بہانے ہیں۔''

''بکواس نہ کرو۔'' وہ خفگی سے سر جھٹک کر کہتا اس کے قریب سیڑھی پہ بیٹھا۔ سعدی بڑبڑا کر اپنے ہونٹوں پہ آئس پیک رکھنے لگا۔ گرم گرم زخم کو ٹھنڈک ملی۔ اف۔

''اور؟'' فارس گھٹنوں پہ بازو رکھے' آگے کو ہو کر بیٹھا تھا' ایسے میں جب بولا تو آواز میں سختی کم تھی۔ ''کیسے ہو؟''

سعدی کے زخم پہ زور سے برف لگی تھی' اندر تک کچھ پگھل کر جما تھا' جم کر پگھلا تھا۔ اس کی گردن کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ اس سوال کا جواب بہت طویل تھا' اور اس کا جواب بہت مختصر تھا۔

''زخمی ہوں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولا تھا۔

''بالوں کو کیا کیا ہے؟''

''جو نظر آ رہا ہے۔''

''کہا نا سوری۔ مجھے غصہ تھا تم پہ بہت۔''

سعدی نے بڑبڑا کر سر جھٹکا۔ فارس اسی طرح گردن موڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ سر سے پاؤں تک۔

''کہاں رہ رہے ہو؟''

''ایک کافی شاپ ہے۔ اس کی مالکن کا اعتماد جیتا تو اس نے رہنے دیا مجھے۔'' پھر نظروں کا زاویہ گھما کر فارس کو دیکھا۔

''آپ نے کیسے ڈھونڈا مجھے؟ کینڈی کا کیسے پتہ چلا؟''

''حنین نے بتایا تھا۔ ندرت آپا کا اکاؤنٹ کھولتے تھے تم تو ان کو ای میل آ گئی کہ کینڈی سے کھل رہا ہے اکاؤنٹ۔ میری ایک پرانی کولیگ تھی' جس کے اریسٹ وارنٹ کی مخبری کرنے پہ مجھے سزا ملی تھی۔ وہ ایمبیسی میں ہوتی ہے۔ اس کا جاننے والا ایک نمونہ تھا۔ اس کے پاس گیا میں۔ اس نے تمہیں بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ پھر میں نے اسے بولا کہ انعامی رقم کا آدھا دوں گا اسے' تمہارا پوسٹر ڈارک سائیٹس پہ ہر جگہ گھوم رہا ہے' وہاں سے رقم وہ دیکھ چکا تھا۔ مگر اسے یقین تھا میں نے تمہیں ڈھونڈ کر گولی مار دینی ہے۔ اور واللہ دل میرا بھی یہی تھا' خیر۔'' اس نے سر جھٹکا اور بتانے لگا۔ ''میں نے اس کو کہا کہ تمہیں باہر نکالنے کے لئے تمہاری مہربان طبیعت کو استعمال کرتے ہیں۔ (سعدی خفگی سے کچھ بڑبڑایا تھا جو اگر فارس کے کانوں تک پہنچ جاتا تو اسکا دوسرا ہونٹ بھی پھٹ جانا تھا۔) ہم نے کیبل نیٹ ورک پہ خبر چلوائی۔ ذرا سا کام تھا۔ جانتا تھا تم نیوز ضرور دیکھتے رہو گے۔ اگر نیٹ استعمال کر سکتے ہو تو نیوز بھی دیکھ سکتے ہو۔ اور بس' تم میری کے بیٹے کو بچانے فوراً آ گئے۔'' ساتھ ہی برہمی سے اسے دیکھا۔ ''کم عقل!''

سعدی خاموشی سے برف کا پیک گال پہ رکھ کر دبانے لگا۔ فارس نے گہری سانس لی۔ ''پوچھا تو نہیں ہے تم نے مگر پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ تمہارے گھر والے کیسے ہیں۔'' فارس سامنے دیکھتے ہوئے ذرا نرمی سے کہنے لگا۔ ''تمہاری امی ٹھیک ہیں' صحت بھی ٹھیک ہے' ریسٹورانٹ جاتی ہیں' پہلے ہم انیکسی میں رہتے تھے' پھر میں نے وہ اس بوڑھی جادوگرنی کو بیچ دی' اور ہم تمہارے پرانے گھر کے قریبی علاقے میں آ گئے۔ تمہارے بڑے ابا پہلے سے زیادہ نحیف لگتے ہیں مگر اندر سے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور زمر....'' سامنے ٹہلتے دیکھتے فارس کی سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''زمر ہمیشہ کی طرح ''زمر'' ہے' مگر تمہارے لئے وہ بہت.....بہت کام کرتی ہے۔ حنین...(سعدی

اس نام پہ پہلو بدلا اور زور سے برف ہونٹ پہ دبائی۔) وقت کے ساتھ بہت مثبت ہوتی جا رہی ہے۔ زمر اور اس کی دوستی ہو گئی ہے۔ سیم بھی اب ان سے نہیں لڑتا۔ دونوں اکثر ساتھ آتے جاتے ہیں۔ سیم کے اسکول میں....''

''آپ کیسے ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے فارس کو دیکھ کر بات کاٹی تو وہ ٹھہر گیا۔ منجمد ہوا۔ لاجواب ہوا۔ چہرہ موڑ کر سعدی پہ نظریں جمائیں۔

''میں؟'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''ٹھیک ہوں۔''

''اور میں سعدی ہوں!'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ پہلی بار وہ مسکرایا۔ ''کل بھی اپنے گھر والوں کی آنکھوں سے ان کے دل کا حال پڑھ لیتا تھا' آج بھی پڑھ سکتا ہوں۔''

''مجھے کیا ہونا ہے سعدی؟''

''آپ بھی زخمی ہیں۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتا' گویا پڑھ کر بتا رہا تھا۔ ''اندر تک زخمی ہیں۔ فرسٹریٹڈ ہیں۔ کرب مسلسل میں ہیں۔ لوگوں سے خفا ہیں۔ دکھی ہیں۔ مگر جو اہداف آپ نے زندگی میں طے کر لئے ہیں' ان کی طرف جانے کی تگ و دو میں لگے ہیں۔ مجھ سے مل کر آپ کے چہرے پہ خوشی بھی ہے اور سکون بھی' مگر کاملیت' نہیں ہے کسی احساس میں۔ جیسے یہ آپ کا صرف پہلا ہدف تھا' آپ مجھے واپس لے جانا چاہتے ہیں' اور پھر اپنے اگلے ہدف میں مصروف ہو جانا چاہتے ہیں۔ اب بھی آپ ذہن میں لائحہ عمل طے کر رہے مگر یہ سب کر کے آپ اندر سے تھک چکے ہیں....اور شاید...'' اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے فارس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا۔ ''شاید مایوس بھی....''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' اس کے چہرے پہ کوئی احساس نہ تھا اور اس کے چہرے پہ سارے احساس تھے۔ گردن کی گلٹی بھی اب کر ابھری تھی۔ آنکھوں میں بے بسی کے سائے تھے اور ان میں کہیں دور ٹمٹماتے دیے بھی تھے۔ وہ امید' اور مایوسی کے درمیان کہیں معلق تھا' شاید اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھو چکا ہے۔

''سعدی!'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دھیرے سے بولا۔ ''ایک بات میں تمہیں نہیں بتا سکا۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے گھر میں ایک حادثہ ہوا ہے۔''

سعدی ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور خوف لئے' اس نے بے قراری سے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''تمہیں اپنا دل بڑا کر کے سننا ہوگا۔ جو خبر میں تمہیں دینے جا رہا ہوں' وہ تمہیں اندر تک ہلا دے گی۔ تمہارے گھر کے ایک فرد نے بہت فاش غلطی کر دی ہے جس کا خمیازہ اسے ساری زندگی بھگتنا پڑے گا۔''

''مجھے بتائیں' کیا ہوا ہے۔'' وہ تیزی سے بولا۔ دل لرز رہا تھا۔ (حنین؟) فارس نے ہمدردی سے اسے دیکھتے' دھیرے سے کہا۔

''صداقت نے شادی کر لی ہے' وہ بھی ایک حسینہ سے۔''

ایک لمحے کو سعدی بالکل ساکت سا اسے دیکھے گیا' اور پھر...وہ ہنس پڑا۔ دل کھول کر۔ گردن پیچھے پھینک کر وہ ہنستا جا رہا تھا۔ فارس بھی سر جھکائے ہنسنے لگا تھا۔ ارد گرد گزرتے لوگوں نے مڑ مڑ کر ان دونوں کو دیکھا تھا' جو دونوں بارش کے باعث ابھی تک گیلے کپڑوں میں بیٹھے تھے' کپڑوں پہ کیچڑ بھی لگا تھا اور پھر بھی وہ ہنستے جا رہے تھے۔

دفعتاً فارس کا فون بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ پھر میسج پڑھ کر واپس جیب میں ڈال دیا۔

''کون ہے؟''

''اسی نمونے کا میسج تھا۔ آبدار کا نمبر دے کر اسے کہا تھا کہ اس کی لوکیشن پتہ کرو' وہ کہہ رہا ہے کہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔ اور اپنے پیسے مانگ رہا ہے۔''

''تو پیسے دیں گے آپ؟'' سعدی نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے باپ کی فیکٹریاں لگی ہیں جو میں پیسے دوں گا؟'' وہ بگڑ کر بولا۔سعدی مسکرادیا۔

''تو اسے کیا کہا؟''

''یہی کہ نہیں دیتا' بے شک پولیس کے پاس چلے جاؤ۔'' اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنس دیے۔پھر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو آؤ سعدی' میں تمہیں کھانا کھلاتا ہوں۔'' اس کا کندھا تھپک کر وہ بولا تھا۔(اف۔اسی جگہ جہاں ٹھوکر ماری تھی۔)

''بہت شکریہ۔جو پہلے کھلایا تھا اس سے میرا پیٹ بھر چکا ہے۔'' وہ جل کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔فارس نے ہنس کر سر جھٹکا اور زینے اترنے لگا۔

''اور یہ آبدار کا کیا قصہ ہے؟ پہلے اس کے ذریعے مجھے پیغام بھجواتے رہے' اب اس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔وہ کر کیا رہی ہے آپ کے ساتھ؟'' مشکوک نظروں سے اسے دیکھتا وہ اس کے ساتھ زینے اتر رہا تھا۔

''زیادہ میرا دماغ خراب نہ کروایسے مجھے دیکھ کر' بھتیجے تم اسی کے ہو آخر....''

وہ دونوں اب دور جا رہے تھے اور ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔

.....❖❖❖.....

میرے قاتل کو پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی ..... پھر سے مقتل کو سنوارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

صبح اپنے ساتھ ڈھیروں سرد ہوائیں لئے نمودار ہوئی تھی۔دھند بڑھ گئی تھی۔سورج چھپ گیا تھا۔سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو ایک سنگل بیڈ رکھا تھا' اس پہ گلابی بیڈ کور بچھا تھا اور حنین اکڑوں بیٹھی' سر پہ دوپٹہ لئے' فون کان پہ لگائے سن رہی تھی۔''ویل لکل ھمزۃ لمزہ...آ...آ...'' رک کر سوچا۔آنکھیں میچ کر۔

''الذی جمع مالاً وعددہ۔'' دوسری طرف میمونہ نے نرمی سے بتایا تھا۔''یہ تمہاری کل بھی غلطی ہوئی تھی حنہ۔''

''حالانکہ جب میں نے یاد کیا تھا تب ٹھیک یاد تھا۔'' وہ روہانسی ہوئی۔ایک تو کچھ دن سے اس کی گردن (مسلسل موبائل اور کمپیوٹر اسکرین پہ چہرہ جھکانے کے باعث) شدید درد کرنے لگی تھی۔زیتون کے تیل کی مالش' پٹھوں کی سوجن کم کرنے والی کریم اور گردن کی ایکسرسائز' سب کر کے دیکھ لیا مگر فرق ندارد۔امی کی ایک کزن ڈاکٹر سے بھی پوچھا تو انہوں نے کہا کہ گردن میں کالر پہنا کرو۔اور گردن کم جھکایا کرو۔یہ حفظ سے پہلے کی بات ہے۔اب حفظ شروع کرنے کے بعد گردن مزید جھکانی پڑتی قرآن پڑھتے وقت' (یعنی گردن کے پٹھے اب مزید خراب ہوں گے) مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے محسوس کیا تھا کہ بلا مبالغہ ہر روز اسے کوئی چھوٹی موٹی چوٹ لگ جاتی تھی۔کبھی وہ بیڈ کے کنارے سے ٹکرا گئی' کبھی پاؤں رپٹ گیا اور گھٹنا چھلا گیا۔کبھی بخار کبھی آدھے سر کا درد۔اف' وہ کہاں جائے؟

ادھر میمونہ کہہ رہی تھی۔''جو بھی حفظ کرنا ہو پہلے اسے دیکھ کر دس دفعہ پڑھا کرو۔ہر آیت یاد کرنے کے بعد اسے پچھلی تمام آیات سے ملا کر دہراؤ۔اور سنو' قرآن نیچے رکھ کر گردن جھکا کر نہ یاد کیا کرو۔انسانی دماغ وہ الفاظ نہیں صحیح سے حفظ کر پاتا جن کے لئے گردن جھکائی جائے۔صرف وہی یاد کرے گا جو اس کو آئی لیول پہ نظر آئیں' یعنی قرآن ہو یا کورس کی کتاب کا رٹا لگانا ہو' کتاب کو اٹھا کر چہرے کے برابر لا کر یاد کیا کرو۔''

میمونہ کے پاس ان گنت ٹپس ہوتی تھیں جو وہ وقتاً فوقتاً شیئر کرتی رہتی تھی۔فون بند کرنے کے بعد حنہ نے سوچا۔کیا حفظ سے کچھ بدلا تھا؟ سوائے صبح جلد اٹھنے کے (جس سے دل میں ہلکی سی خود پسندی بھی جاگی تھی کہ اب تو میں اچھی ہو رہی ہوں۔) کوئی برکت' نور' وغیرہ ؟؟ مگر ابھی وہ کوئی خاص اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔دفعتاً چوکھٹ میں زمر نظر آئی۔گھنگریالے بالوں کی پونی باندھے' ناک میں سونے کی نتھ

پہنے وہ مسکرا کر بولی تھی۔

''میں شیرو کے آفس جارہی ہوں۔اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔''

حنین چھلانگ مار کر نیچے اتری' اور بک شیلف پہ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھا کر زمر کو دی۔''یہ صرف ہاشم کے لیپ ٹاپ میں لگا دیں' اور...'' وہ جوش سے سمجھا رہی تھی اور زمر غور سے فلیش ڈرائیو کو دیکھتی سن رہی تھی۔

چند کلومیٹر کے فاصلے پہ واقع قصرِ کاردار کو بھی سرمئی دھند نے اپنے پروں تلے دبا رکھا۔لاؤنج میں ملازموں کی گہما گہمی لگی تھی مگر ڈائننگ ہال خالی تھا۔عرصہ ہوا وہ تینوں اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرنا چھوڑ چکے تھے۔

ہاشم صبح سویرے آفس میں جا چکا تھا۔نوشیرواں اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا اور جواہرات...اس کا کمرہ خالی تھا۔بیڈ پہ بیڈ کور آدھا زمین پہ گرا تھا۔ڈریسنگ ٹیبل پہ پرفیومز کی ٹوٹی بوتلیں بکھری تھیں۔کل رات کے پہنے جوتے ادھر ادھر پڑے دکھائی دیتے تھے۔رات والا زیور بھی گویا نوچ کر اتار پھینکا پڑا تھا۔ایک دیوار پرفیوم کی شیشی کے مارے جانے کا نشان بھی تھا اور کمرہ بے حد معطر تھا۔

باتھ روم کے آدھی دیوار پہ لگے آئینے کے سامنے کھڑی جواہرات سرخ بھیگی آنکھوں سے اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔سلیولیس نائٹی میں اس کے بازوؤں کے فریکلز نظر آرہے تھے۔بکھرے بال' رات کا آدھا مٹایا' آدھا موجود میک اَپ۔وہ بیمار اور بوڑھی لگنے لگی تھی۔اس کا دل بوڑھا ہو گیا تھا۔اس نے ٹوٹی تلے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر رکھا۔پانی کسی بھیک کی طرح کشکول میں گرنے لگا۔چلو بھر کر اس نے منہ پہ پھینکا' اور پھر پھینکتی گئی۔یہاں تک کہ چہرہ دھل گیا۔پھر تولیے سے منہ خشک کر کے خود کو آئینے میں دیکھا۔اب آنکھیں خشک تھیں۔

''میرا زوال کبھی نہیں آئے گا۔میں آج بھی دولت مند' طاقتور' اور خوبصورت ہوں۔کیا سمجھتا ہے وہ خود کو؟'' شعلہ بار نظروں سے آئینے میں دیکھتی وہ کہہ رہی تھی۔''میں ہار مان جاؤں گی؟ ہرگز نہیں۔جب میں نے اورنگزیب کے آگے ہار نہیں مانی تو تمہارے سامنے کیوں؟''

آنکھیں رگڑ کر ایک عزم سے خود کو دیکھا۔''میں دوبارہ کھڑی ہوں گی۔پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر!''

اور جب وہ باہر آئی تو اپنے ڈاکٹر کا نمبر ملا کر کہہ رہی تھی۔

''میری تھوڑی کے نیچے سے اسکن لٹکنے لگی ہے' اور میں سوچ رہی ہوں ہونٹوں کے گرد لاف لائینز میں فلر....''

دو گھنٹے بعد وہ بال کرل کر کے' براق سفید بلاؤز میں ملبوس' سرخ لپ اسٹک لگائے' مسکرا کر پورے اعتماد سے آفس کی راہداری میں چلتی جا رہی تھی۔اردگرد لوگوں کے سلام کا مسکرا کر جواب دیتی۔گردن کا سریہ واپس آ گیا تھا مگر دل بوڑھا ہو گیا تھا۔اس کی کوئی aging ٹریٹمنٹ نہ تھی اس کے پاس۔

نوشیرواں کے آفس کا دروازہ اس نے کھولا تو وہ آفس ٹیبل کے پیچھے اپنی کرسی پہ بیٹھا نظر آیا۔جواہرات مسکرائی اور دروازہ پورا کھولا۔پھر مسکراہٹ پھیکی پڑی۔شیرو کے سامنے کرسی پہ سیاہ کوٹ والی لڑکی کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔بھورے گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی...

جواہرات اندر تک سلگ گئی۔بے اختیار ہاتھ اپنے مصنوعی curls تک گیا۔

''ممی!'' شیرو نے پکارا تو زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور مسکرائی۔''گڈ مارننگ مسز کاردار۔'' پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور شیرو سے بولی (جو تذبذب کا شکار لگتا تھا۔)''اپنی ممی کے ساتھ نرمی سے بات کیجئے گا نوشیرواں ورنہ آپ اپنے والد کے آگے جواب دہ ہوں گے۔'' اور قدم قدم چلتی چوکھٹ میں کھڑی جواہرات تک آئی جو سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرے کلائنٹ کے ساتھ نرمی سے بات کیجئے گا ورنہ آپ میرے آگے جواب دہ ہوں گی۔'' دھیرے سے کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔اور جواہرات سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تن فن کرتی آگے کو آئی۔

''تو اب تم دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہو؟''

''وہ میری وکیل ہیں۔اور جیسے وقت پڑنے پہ آپ لوگ ہارون عبید کو دوست بنا لیتے ہیں حالانکہ ڈیڈ اسے کتنا ناپسند کرتے تھے' ایسے ہی میں مسز زمر کو اپنا وکیل بنا سکتا ہوں۔''

''میں تمہاری زبان دیکھ رہی ہوں نوشیرواں کاردار۔'' جوہرات نے غصے سے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''کیوں نا آپ صرف اپنی مصروفیات دیکھیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور برہمی سے بولا تھا۔جواہرات سن ہو گئی۔وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

''میری مصروفیات صرف میرے بیٹے ہیں' شیرو!'' اس کا لہجہ کانپا۔

''بے کار باتیں مت کریں۔جب آپ اپنے ایک بیٹے سے دوسرے کو پٹوانے میں مصروف نہیں ہوتیں تو ریسٹورانٹس میں ہارون عبید کے ساتھ ڈنر کر رہی ہوتی ہیں۔میرے دوست نے دیکھا تھا آپ کو کل رات وہاں۔'' وہ کوفت سے بولا تھا۔

''اس سے آگے ایک لفظ نہ بولنا۔'' سرخ چہرے کے ساتھ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔''جس عورت کی باتوں میں آ کر تم اپنی ماں اور بھائی سے دور جا رہے ہو' اس کو یہ نہیں بتایا تم نے کہ اس کے بھتیجے کو تین گولیاں بھی تم نے ماری تھیں؟''

نوشیرواں کے چہرے پہ زلزلے کے آثار نمایاں ہوئے۔بہت سے سایے اس کی آنکھوں میں آن گرے۔وہ آگے ہوا' اور غرایا۔''وہ اسی قابل تھا! سنا آپ نے؟ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔رہی مسز زمر' تو ان سے میرا تعلق مختلف نوعیت کا ہے۔وہ ایک اچھی خاتون ہیں۔''

جواہرات نے طیش سے ہاتھ مار کر میز پہ رکھے پین اسٹینڈ اور فائلز گرا دیں۔

''جو عورت کسی اولاد کو اس کی ماں سے دور رکھنے کی سازش کرے' وہ conspirator (ماکر) ہوتی ہے' اچھی نہیں۔''

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ میں نے تو سعدی کو مارا تھا' قید میں تو آپ لوگوں نے رکھا ہوا ہے اسے؟'' وہ تلخی سے بولا تھا۔

''اوہ!'' جواہرات کے ابرو اٹھے' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی' چند گہرے سانس لئے اس نے۔''نوشیرواں کاردار۔خود کو آپ ڈیٹ کر لو۔سعدی یوسف اب قید میں نہیں ہے۔وہ بھاگ چکا ہے۔اور بھاگنے سے پہلے وہ ایک گارڈ کو قتل بھی کر چکا ہے۔اس کے پاس اسلحہ بھی ہے اور دماغ بھی۔وہ تمہارے خون کے لئے آئے گا اور تم تو وہ ہو جس سے ایک قتل بھی ٹھیک سے نہیں ہوا۔سو اب بھی وقت ہے' اپنے بھائی اور ماں سے سنوار لو' ورنہ سعدی کا مقابلہ اکیلے کرو۔''

اور ایک شعلہ بار نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔نوشیرواں بالکل سن' سفید چہرہ لئے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔پھر وہ سیٹ پر ڈھے سا گیا اور نم ہوتی پیشانی کو آستین سے رگڑ کر صاف کیا۔

سعدی قاتل بن گیا ہے۔اس نے قتل کر دیا ہے۔اس کے پاس اسلحہ ہے۔وہ بالکل گم صم سا بیٹھا تھا۔اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیکھتا تو ان میں سرخ پانی جمع تھا۔بے اختیار اسے ابکائی آئی تھی۔وہ تیزی سے ڈسٹ بن پہ جھکا تھا۔دل میں بہت سے آنسو بھی گرے تھے۔گلٹ زیادہ شدید تھا' یا صدمہ' ماپنے کا کوئی پیمانہ نہ تھا۔

.....❖❖❖.....

نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی ..... سواب کے دونوں ہی چالیں بدل کے دیکھتے ہیں

جواہرات کو لفٹ کی طرف جاتے دیکھ کر زمر اٹھی اور ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔باہر بیٹھی سیکرٹری پریشانی کے عالم میں فون پہ لگی

تھی' زمر نے اسے نظر انداز کر کے دروازہ کھولا۔ ہاشم اسی طرح بیٹھا کام کر رہا تھا۔ آہٹ پہ نظروں کا رخ پھیرا تو ذرا چونکا۔ چوکھٹ میں گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی والی زمر کھڑی تھی۔ مسکرا کر اس نے دروازے پہ دستک دی۔

ہاشم عینک اتار کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا۔ ''مسز زمر! تو کیا نوشیرواں نے....''

''میں زمر کی حیثیت سے آئی ہوں' وکیل کی حیثیت سے نہیں۔'' وہ قدم قدم چلتی آگے آئی اور میز سے ذرا فاصلے پہ ٹھہر گئی۔

''ایک وقت تھا جب آپ میرے آفس آیا کرتے تھے' بنا پوچھے میری چائے لے لیتے تھے' انتہائی ناپسندیدہ باتیں کرنے کے بعد اٹھ کر کہتے تھے' ہم دونوں ''ٹھیک'' ہیں نا؟''

ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ ناسٹلجیا۔

''جواب میں آپ سے پوچھنے آئی ہوں' کیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک ہیں؟'' اس پہ نگاہیں جمائے وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ ہاشم کرسی کی طرف اشارہ کرتا واپس بیٹھا اور مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''آپ کو میرے بھائی نے اپروچ کیا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔''

''آپ کو میری بھتیجی نے کالج بلایا تھا اور آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا تھا۔ جیسے وہ اٹارنی کلائینٹ پریولیج تھا' ویسے ہی یہ بھی پریولیج کا حصہ ہے۔''

وہ کرسی پہ بیٹھی اور پرس اپنے پہلو میں رکھ دیا۔ ہاتھ پرس کے قریب ہی تھا۔ زپ کے اندر سامنے ہی وہ فلیش رکھی تھی۔

''عذر قبول کیا۔ چائے لیں گی یا کافی؟''

''صرف یہ تسلی کہ آپ مجھے قصوروار نہیں ٹھہراتے شیرواور اپنے معاملے پر۔''

''ہم بھائی ہیں مسز زمر' اور ہم کل کو پھر سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بات مجھ سے چھپا کر' علیشا کو بلا کر' میری پیٹھ کے پیچھے یہ سب کر کے' آپ نے اپنی اچھائی کو داغدار کر دیا ہے۔ میں چھپا سکتا ہوں' کیونکہ میں برا ہوں' لیکن آپ تو اچھی تھیں۔ اور جب اچھے لوگ برے کام کریں' برے نہ سہی' مشکوک کام کریں' grey کام کریں' تو میرے جیسے برے لوگوں کا یقین بھی اچھائی سے اٹھ جاتا ہے۔ ہم اچھائی کے راستے پہ چلنے سے پہلے رک کر سوچنے لگتے ہیں۔'' ٹیک لگا کر بیٹھا' مسکرا کر وہ کہہ رہا تھا۔ زمر نے گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھ ملا کر رکھے' اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''اور برے لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے اور اچھائی کی طرف نہ پلٹنے جیسی ''اپنی''....خالصتاً ''اپنی'' کمزوریوں کے لئے بھی دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔''

ہاشم ہلکا سا ہنس دیا۔ اسے اس بات نے محظوظ کیا تھا۔ تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ ''اوکے' اب ہم ٹھیک ہیں۔''

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور بوکھلائی ہوئی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔

''سر آپ کا فون آف ہے اور دوسرا فون آپ نے ہیلڈ کر رکھا ہے۔'' وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔ زمر مڑ کر اسے دیکھنے لگی اور ہاشم ابرو بھینچ کر' ذرا آگے کو ہوا۔

''آپ نے کالز فارورڈ کرنے سے بھی منع کیا تھا' مگر.... بری خبر ہے۔'' کہنے کے ساتھ اس نے میز پہ پڑا ریموٹ اٹھایا اور مڑ کر دیوار پر نصب ایل سی ڈی کی جانب اٹھا کر بٹن دبایا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ حلیمہ نے دو چار مزید بٹن دبائے اور ایک نیوز چینل سامنے نظر آیا۔ اس پہ چلتی چلتی پٹی دیکھ کر ہاشم بے اختیار اٹھا۔ چہرہ سفید پڑا۔ سہارے کے لئے میز کے کنارے کو مضبوطی سے تھاما۔

''سر' کالز پہ کالز آ رہی ہیں' نیوز میں بھی آ گیا ہے۔ ہمارے پاور پلانٹ کی مرکزی مشینری میں بلاسٹ ہوا ہے۔ بڑے پیمانے پہ

explosives استعمال کئے گئے ہیں۔ تیل کو آگ لگ گئی ہے اور اب یہ آگ تب ہی بجھے گی جب ہمارا پلانٹ ناکارہ ہو چکا ہوگا۔''

(پاور پلانٹس میں بڑے بڑے فیول ٹینکس ہوتے ہیں۔ ان ٹینکس میں کئی ملین گیلن تیل محفوظ ہوتا ہے۔ اگر ایک ٹینک میں بھی دھماکہ ہو جائے تو اس سے پیدا ہونے والے fumes اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ پورا پلانٹ تباہ ہو سکتا ہے۔)

زمر بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھتی، پھر حلیمہ کو کہتی ''بس کریں، خاموش ہو جائیں۔''

''پلانٹ اب نئے سرے سے اسٹارٹ کرنا ہوگا۔ ایک بند ہوئے پلانٹ کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے.... اربوں روپے مالیت کی ضرورت ہوتی ہے، اوہ سر، میں تو....''

''حلیمہ!'' زمر غصے سے اس کی طرف مڑی۔ ''شٹ اپ!''

حلیمہ دم بخود اسے دیکھنے لگی۔ اب وہ ہاشم کی طرف گھومی۔ وہ ابھی تک ششدر کھڑا، اسکرین پہ چلتے مناظر دیکھ رہا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے لئے وہ دنیا سے کٹ کر بیٹھا تھا اور یہ سب ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا، ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ وہ میز کے کنارے کو پکڑے قدم آگے بڑھا، پھر فون اٹھایا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

''فون رکھیں ہاشم۔'' زمر نے اس سے ریسیور لے کر واپس رکھا۔ ''اور پلیز آرام سے بیٹھ جائیں۔'' وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

وارث غازی کی جھومتی ہوئی لاش.... وہ اور زرتاشہ ایک ریسٹورانٹ میں کھڑی تھیں.... سعدی کی زخمی چہرے والے چہرے والی تصاویر... ہر شے پسِ منظر میں چلی گئی۔ اگر کچھ رہ گیا تو صرف ایک احساس۔

انسانیت۔

ہاشم نہیں بیٹھا۔ وہ شل سا کھڑا رہا۔ چہرہ جھکائے، وقفے وقفے سے نفی میں سر ہلاتا۔

''ہاشم آپ بیٹھ جائیں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ہاشم نے سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''گیٹ آؤٹ۔'' دروازے کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ''جائیں یہاں سے۔'' حلیمہ جلدی سے باہر بھاگ گئی۔ زمر نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے، پھر بند کر دیے۔ پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر نکل کر وہ چند قدم آگے گئی۔ پھر رکی۔ نفی میں سر ہلایا۔ اور واپس ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔

آفس خالی تھا۔ میز کے پیچھے اب ہاشم نہیں کھڑا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا، اور پھر وہ تیزی سے آگے آئی تو دیکھا....

وہ اپنی کرسی کے قریب فرش پہ گرا ہوا تھا، اس کا ہاتھ سینے کو مسل رہا تھا اور اسکی آنکھیں غنودہ سی بند ہو رہی تھیں۔ وہ تکلیف میں تھا، اس کا تنفس رک رہا تھا۔

''ایمبولینس بلاؤ.... گاڑی نکلواؤ....'' وہ چلا کر حلیمہ سے بولی تھی جو باہر کھڑی تھی۔ ''ہاشم کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے۔ جلدی جاؤ۔'' اور پرس پھینکتی وہ اس کی طرف بڑھی تھی جس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور سینہ جکڑ رہا تھا......

❖❖❖

منزلیں تیرے علاوہ بھی ہیں لیکن ...... زندگی اور کسی راہ پر چلنا ہی نہیں چاہتی

کولمبو میں واقع اس بلند بالا ہوٹل کی ریسیپشن دن کے وقت بھی روشنیوں سے منور تھی۔ ایک کونے میں صوفے پہ آفتاب بیٹھا تھا فون کان سے لگائے دوسری طرف ہارون کو سن رہا تھا جو پوچھ رہے تھے۔

''آبدار کیسی ہے؟'' وہ جواباً بتانے لگا۔

''جب سے وہ مس آبدار کے اپارٹمنٹ سے گیا ہے، مس واپس ہوٹل آ گئی ہیں اور یہاں سے نہیں نکلیں۔''

چند منزلیں اوپر.... ایک کشادہ اور پرتعیش بیڈروم کے پردے گرے تھے اور اندر اندھیرا سا تھا۔ وہ صوفے پہ پیر اوپر کرکے بیٹھی تھی

سرخ بال کمر پہ پھسل رہے تھے' اور چہرہ تھوڑی پہ گرائے گم صم نظر آتی تھی۔

''وہ کھانا بھی اندر منگواتی ہیں۔اداس ہیں اور غمزدہ بھی۔''

آبدار نے سائیڈ ٹیبل سے نیل پالش کی شیشی اٹھائی اور اپنا پیر میز کے کنارے رکھا' پھر برش کو پالش میں ڈبو ڈبو کر ناخنوں پہ لگانے لگی۔

''وہ بار بار ریسیپشن پہ کال کر کے پوچھتی ہیں کہ کوئی ان سے ملنے تو نہیں آیا' یا ان کے لئے کوئی فون تو نہیں آیا۔مگر اپنا سیل فون انہوں نے آف کر رکھا ہے۔''

انگوٹھے اور دو انگلیوں پہ سرخ نیل پالش لگا کر وہ رکی' اور پھر ایک دم شیشی اٹھا کر دیوار پہ دے ماری۔شیشی دیوار کو داغدار کر کے ٹوٹ گئی۔اب وہ سرخ رومال سے ناخن رگڑ رہی تھی۔گیلی سوکھی پالش خلط ملط ہوگئی' کچھ مٹی' کچھ انگلیوں پہ لگ گئی۔

''مجھے وہ بیمار لگنے لگی ہیں' سر۔میرا خیال ہے آپ کو ان کے پاس ہونا چاہیے۔''

وہ اب گھٹنوں پہ سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''مشورہ نہیں مانگا' رپورٹ مانگی ہے' دیتے رہو۔'' ہارون نے کوفت سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ادھر وہ ابھی تک روئے جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

لاکھ موجوں میں گھرا ہوں مگر ڈوبا تو نہیں ..... مجھ کو ساحل سے پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

کینڈی کی سرسبز پہاڑیوں نے روئی کے گالوں جیسے بادلوں کا تاج پہن رکھا تھا۔صبح کی تازہ ہوا درختوں کے پتوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی اور پہاڑی کو کاٹ کر بنے اس اوپن کیئر کیفے کے فوارے کے پانی سے کھیل رہی تھی۔حوض میں گرتے پانی کی دھاروں میں دھنک کے ساتوں رنگ دکھائی دیتے تھے۔فوارے سے نظر دائیں جانب کرو تو کونے کی ایک میز پہ فارس بیٹھا تھا۔جھک کر' کہنیاں میز پہ رکھے' وہ کافی کے مگ میں چمچ ہلا رہا تھا۔دفعتاً اس نے نگاہ اٹھائی اور سامنے والی کرسی سنبھالتے سعدی کو دیکھا۔وہ ابھی ابھی آیا تھا۔جینز پہ سوئیٹر پہن رکھا تھا جس کی ہڈ گردن کے پیچھے گری تھی۔

''مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔جہاں کام کرتا ہوں' وہاں کی مالکن کو کل پوری شام غائب رہنے کی لمبی کہانی سنائی تھی' اب صبح دوبارہ جانے سے پہلے اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔'' وہ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ہونٹ کا زخم پہلے سے بہتر تھا البتہ سوجن زیادہ تھی۔فارس نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھتے مگ لبوں سے لگایا۔

''کیا کہا ہے اسے' کہاں جا رہے ہو؟''

''یہی کہ میری محبوبہ کینڈی میں آئی ہوئی ہے' اس سے ''چھپ'' کر ملنے جاتا ہوں۔'' مسکرا کر تپانے والے انداز میں بولا۔فارس نے سر جھٹکا۔''استغفراللہ۔''

سعدی اپنے لئے ناشتہ آرڈر کرنے لگا۔پھر فارس کی طرف خوشگوار انداز میں گھوما۔''آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

فارس نے سنجیدگی سے مگ رکھا۔''یہ اہم نہیں ہے۔اہم یہ ہے کہ میں اور تم آج واپس جا رہے ہیں۔''

سعدی کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔مسکراہٹ غائب ہوگئی۔''کیا یہ اتنا آسان ہے؟''

''ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا؟ دو ہاتھ اور لگاؤں؟''

''اچھا آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''میرے ساتھ واپس چلو' ہاشم سے کہو کہ تم اس کا راز راز رکھو گے۔ ہم سب نارمل ایکٹ کریں گے۔ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ رہو۔ اپنی جاب دوبارہ شروع کرو۔ اور مجھے ہاشم سے تمہارا اور اپنا انتقام لینے دو۔''

''میرا مجرم ہاشم نہیں نوشیرواں ہے۔ مجھے گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔ ہاشم نے مجھے غائب کروایا تھا' مگر مجھے ....گولیاں....نوشیرواں نے ماری تھیں۔'' وہ ایک دم میز پہ ہاتھ مار کر تیزی سے بولا۔ فارس پہ گڑی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ ''آٹھ ماہ.... پورے آٹھ ماہ انہوں نے مجھے بند رکھا' ایک ایسی جگہ جہاں میں سورج سے بھی محروم تھا....آٹھ ماہ میں نے ہر صبح انتظار کیا کہ آپ آئیں گے مگر' آپ نہیں آئے' میں نے اپنے خاندان والوں کا انتظار کیا' مگر کوئی نہیں آیا۔ آپ سب ہاشم کاردار کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھ کر عید کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ کوئی نہیں آیا میرے لئے۔'' بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ تو فارس نے گہری سانس لی۔

''مجھے جیل میں ڈھائی سال ہو گئے تھے جب تم نے مجھ سے معافی مانگی تھی کہ تم میرے لئے پہلے اس طرح نہیں آئے جیسے اب آئے۔ کیا تمہیں الزام دیا تھا میں نے؟ نہیں۔ صرف اسلئے کہ تم نے مجھے قید میں نہیں ڈالا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو قید میں ڈالا تھا۔''

''اوہ واؤ۔ اوکے۔ سو اب میں گلٹی پارٹی ہوں۔ ٹھیک ہے۔ فائن۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تلخی سے کہا۔ ''میں نے اپنے آپ کو خود قید میں ڈالا تھا' مجھے پہلے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں آیا' میں اکیلے سب کچھ کرنا چاہ رہا تھا' میں غلط تھا۔ فائن۔ مگر آپ....آپ تو سب جانتے تھے۔ یہ بھی کہ میں کہاں ہوں' کس کے پاس ہوں' تو آپ کیوں نہیں آئے میرے لئے۔ آٹھ ماہ پہلے کیوں نہیں آئے؟''

''کیونکہ تمہارے برعکس میں ایک بات جانتا ہوں کہ انسان اکیلا ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' وہ بھی اتنی ہی درشتی سے بولا تھا۔ ''میں بالفرض کولمبو آ بھی جاتا' تو میرے پاس یہاں اتنے بندے' اتنا اسلحہ اور اتنے وسائل نہیں تھے کہ میں ان کے ہوٹل پہ حملہ کرتا اور تمہیں وہاں سے نکال لیتا۔ اگر میں ایسی کوئی کوشش کرتا بھی تو میرا....ایک ....خاندان ....ہے۔ سعدی یوسف! وہ کسی کو نہ چھوڑتے۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے اسے جیتنا ہوتا ہے' اور ہم یہ جنگ جیتنے کے قریب ہیں۔ ہم اسے جیت کر ہی شروع کریں گے۔ وہاں سے تمہیں صرف تم خود نکال سکتے تھے اور میں نے تمہیں نکلنے کا طریقہ بتایا تھا اور وہ طریقہ کارگر رہا۔''

سعدی چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ صدمے سے اسے دیکھتا رہا۔ ''کارگر؟ ہر گزرتا دن میری گردن میں پھندا کستا رہا' میں اندر سے مرتا گیا اور اب آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہو پایا' اور آپ کہتے ہیں کہ وہ کارگر رہا۔''

''مجھے ہاشم کو شک نہیں دلوانا تھا۔ ہاشم کو اپنی طرف سے مطمئن رکھنا تھا۔''

''مگر کیوں؟ کیا کر لیتا ہاشم کاردار؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا؟''

فارس نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ جب اسے پتہ چلے گا تو وہ کیا کرے گا۔''

''وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا' اس کو ڈاج کرنے کے دو ہزار طریقے میں جانتا ہوں۔ بہر حال میں واپس نہیں جا رہا۔ ابھی نہیں۔'' اور وہ رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فارس نے طویل سانس لبوں سے خارج کی۔

''مگر کیوں؟ کیا تم اپنے گھر والوں سے ملنا نہیں چاہتے؟'' سعدی نے نظریں چرائیں۔

''مجھے تیاری کرنی ہے' ابھی میں تیار نہیں ہوں۔''

فارس ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ ''کس چیز کی تیاری؟ میں نے کہا نا تمہارا انتقام میں لوں گا۔''

سعدی نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑا' ان میں اب صرف سنجیدگی تھی۔

''مجھے انتقام نہیں چاہیے ماموں۔ یہی فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ مجھے.....انصاف....چاہیے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' فارس ایک دم الرٹ سا ہو کر بیٹھا۔ سعدی نے نظریں جھکائیں' پھر آنکھیں بند کیں۔ اس کے بعد اس نے

گردن کڑائی....آنکھیں کھولیں اوران میں سرد سا تاثر لئے فارس کو دیکھا۔

''سرکار بنام نوشیرواں کاردار!''

فارس کی ساری دنیا ایک دم سناٹے میں آ گئی۔وہ بالکل شل سا سعدی کو دیکھے گیا۔پھراس نے نفی میں گردن ہلائی۔''نہیں' کبھی نہیں سعدی۔''وہ تیزی سے آگے ہوا۔''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے تمہیں انتقام چاہیے تو ہم لیں گے انتقام مگر....''

''مجھے انتقام نہیں چاہیے۔''وہ جواباً غرایا تھا۔''مجھے....انصاف....چاہیے۔''

''تمہیں انصاف کا مطلب بھی پتہ ہے؟ سعدی وہ ہمارے خاندان کی عورتوں اور بوڑھوں کو کورٹ میں گھسیٹیں گے۔ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔زمر' حنین' تم خود۔پاکستان میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے سعدی اوراب ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا۔''

''ہاں ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا مگر ہر مجرم گناہگار نہیں ہوتا۔اور یہ جج کرنا میرا یا آپ کا کام نہیں ہے۔یہ ایک آفیسر آف لاء جج کرے گا۔یہ فیصلہ ایک جج کرے گا کہ کون قاتل ہے' کون دھوکے باز ہے' کون جھوٹا ہے اور کون گناہگار۔میں ہر رات اپنی ٹوٹی امید کو اس ایک خیال سے جوڑتا تھا۔لازم ہے کہ میں بھی دیکھوں گا۔سرکار....بنام....نوشیرواں کاردار!''اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں مگران میں برف ہوئے پہاڑوں جیسی سختی تھی۔فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''سعدی' میں ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ رہوں گا' لیکن ایک بات مجھے پورے یقین سے بتاؤ۔کیا تم اس فیصلے پہ قائم رہو گے؟ کیا تم کاردارز سے کورٹ میں جنگ کرنا چاہتے ہو؟''

''میں فیصلہ کر چکا ہوں۔سعدی یوسف کی کہانی ایک کورٹ ٹرائل کے بغیر ختم نہیں ہوگی۔میں جانتا ہوں ٹرائل لمبا ہوگا' ٹرائل تکلیف دہ ہوگا' مجھے سے اور کاردارز سے جڑے ہر شخص کو عدالت کے کٹہرے میں آ کر قرآن پہ ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا حلف اٹھانا ہوگا' میرے خاندان کی عورتوں پہ بھری کچہری میں کیچڑ اچھالا جائے گا' ہمیں ذلیل اور رسوا کیا جائے گا' میں سب جانتا ہوں' مگر....میں....فیصلہ کر چکا ہوں۔مجھے ''سرکار بنام نوشیرواں کاردار' چاہیے ہے!''

فارس نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا' وہ والٹ سے چند نوٹ نکالتا اٹھ کھڑا ہوا اوران کو گلاس تلے رکھا۔

''تمہارا نیا پاسپورٹ تمہیں دو دن کے اندر مل جائے گا۔یہ تمہارے آف شور بینک اکاؤنٹ کی ساری تفصیلات ہیں۔''جیکٹ کے اندرونی جیب سے چند کاغذ نکال کر سامنے رکھے۔''مجھ سے کیسے کانٹیکٹ کرنا ہے تمہیں معلوم ہے' پیسے چاہیے ہوں تو بتانا۔میں آج رات تک واپس چلا جاؤں گا۔''

سعدی کا دل ایک دم ویران سا ہو گیا۔اس نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

''بس آپ جا رہے ہیں؟''

''اب رکنے کا فائدہ نہیں ہے۔تم نے ایک غلط فیصلہ کیا ہے سعدی' اور میں اس میں تمہارا ساتھ دوں گا۔لیکن تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہے کہ ہاشم کیا کرے گا جب اس پہ حقیقت کھلے گی۔مجھے اندازہ ہے' اور مجھے....تیاری کرنی ہے۔مجھے اپنے خاندان کی حفاظت کرنی ہے۔''

سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔کاغذات کو اس نے چھوا تک نہیں۔آگے بڑھا اور فارس سے گلے ملا۔حلق میں بہت سے آنسو پھنس گئے۔

''ہاں ٹھیک ہے' اب دور ہٹو۔''سنجیدگی سے کہہ کر اسے پرے ہٹایا۔سعدی نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ زمر نے ابھی تک آپ کو زہر نہیں دیا۔ویسے وہ آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں اب؟''

"Its Complicated"وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

''اور یہ آبدار کا کیا چکر ہے؟ اس کے نمبر کی اتنی فکر کیوں ہے آپ کو؟'' یوسف خاندان کے لڑکے نے آنکھوں میں شک بھرے فارس غازی کو دیکھا تھا۔

''اس نے احسان کیے ہیں مجھ پہ اور میں اس کو ڈاج کر کے گیا تھا۔ وہ جذباتی سی لڑکی ہے' مجھے فکر ہے کہ کچھ کر نہ دے۔ اسی لیے اس کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔ خبر تو رکھنی پڑتی ہے۔ خیر تم ایک دو دن میں واپس آ جانا۔ زیادہ مت ٹھہرنا۔ میں اب چلتا ہوں۔''

اس کا کندھا ہلکے سے تھپک کر وہ کہہ رہا تھا۔ اب کے وہ جلدی میں لگتا تھا۔ اسے واپس جانا تھا۔ جلد از جلد۔

.....❖❖❖.....

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے ..... تو حلقہ یاراں میں بھی محتاط رہا کر!

ہسپتال کے پرائیوٹ وارڈ کا وہ پرتعیش کمرہ پھولوں کی مہک سے معطر تھا۔ اندر بیڈ پہ ہاشم تکیوں کے سہارے لیٹا نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہسپتال والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ زمر نے دروازے پہ دستک دی تو اس نے آنکھیں کھولیں' پھر نقاہت سے مسکرایا۔ ساتھ کھڑے ڈاکٹر نے بھی اسے دیکھا۔

''آیئے۔'' وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی اور قریبی کاؤچ کے کنارے بیٹھ گئی۔

''تھینک یو.... میرے آپ کو نکال دینے کے باوجود دوبارہ واپس آنے کے لئے۔'' وہ نرمی سے بولا تھا۔

''نو پرابلم' میں نہ بھی آتی تو کوئی اور آ جاتا۔ یہ ہارٹ اٹیک نہیں تھا' صرف anxiety اٹیک تھا۔ چونکہ اس کے symptoms دل کے دورے جیسے ہوتے ہیں تو میں سمجھی.... خیر.... مبارک ہو' آپ کا دل بالکل محفوظ اور توانا ہے۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ ماحول میں عجیب سا تناؤ در آیا۔ ڈاکٹر باہر گیا تو ہاشم نے کہا۔

''زمر.... کیا آپ میرا ایک کام کریں گی۔''

زمر نے گہری سانس لی۔ ''جی کہیے۔''

''ایک ڈرافٹ تیار کروانا ہے' اگر آپ نوٹ پیڈ پہ لکھتی جائیں تو.... اور پلیز مجھے کام سے باز رہنے کو نہ کہیے گا۔''

''شیور آپ بتائیں۔'' وہ اس کو کام سے باز رہنے کی نصیحت کر بھی نہیں سکی۔ مصروف رہے گا تو ذہنی دباؤ کم ہو گا۔ اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور پین کھولا۔ ہاشم تکیے پہ سر رکھے' آنکھیں موندے ڈکٹیٹ کرنے لگا۔ بار بار رکتا' اڑتا' پھر نفی میں سر ہلا کر دوبارہ سے شروع کرتا۔ وہ بنا کسی کوفت کے لکھتی گئی۔

اس دوران اس سے ملنے کوئی نہیں آیا۔ شام میں جب وہ تھک کر' کاغذوں کا پلندہ اس کے سرہانے رکھ کر اٹھنے لگی تو ازراہِ ہمدردی بولی۔

''اب اس بات کا دباؤ مت لیجئے گا کہ دوستوں میں سے کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے ان کو معلوم نہ ہو۔''

ہاشم تلخی سے مسکرایا۔ ''باس کی بیماری کی خبر آفس میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا کرتی ہے۔ سب کو معلوم ہے مسز زمر!''

''میں... اپنے ڈاکٹر سے مل لوں۔'' وہ پرس اٹھا کر جانے لگی۔

ہاشم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''آپ کا ڈاکٹر بھی اسی ہسپتال میں ہے؟''

''یہ آپ کا پسندیدہ ہسپتال ہے ہاشم' اور میری سرجری کے وقت مسز کاردار نے ہی یہ ہسپتال ریکمنڈ کیا تھا۔ کیا آپ بھول گئے۔''

ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔ وہ یہ معاملات ممی کے لئے چھوڑ دیا کرتا تھا' سو اس کو ان کی خبر نہ تھی۔

زمر چند منٹ کی مسافت پہ واقع اپنے ڈاکٹر کے کمرے تک آئی تو وہ اندر نہیں تھے۔ اس دن کے بعد سے بس ان سے فون پہ بات

ہوئی تھی' انہوں نے اسے نئی رپورٹ کے حوصلہ افزاء ہونے کا بتایا تھا۔مزید کچھ نہیں۔اس نے باہر ریسیپشن والے لڑکے سے پوچھا۔

''ڈاکٹر قاسم کہاں ہیں؟''

وہ بے اختیار تعجب سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔''آپ کو نہیں معلوم؟''

''نہیں۔کیا ہوا؟'' زندگی میں اتنے حادثے دیکھے تھے کہ بغیر کسی فکرمندی کے سکون سے بولی۔

''ان کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔بہت چوٹیں آئی ہیں۔وہ ایک دوسرے ہاسپٹل میں داخل ہیں۔پسلیاں ٹوٹی ہیں۔جبڑے کی ہڈی بھی اور...'' وہ ہمدردی سے سنتی گئی' پھر آگے بڑھ گئی۔اب دوسروں کے غم کوئی ایسا اثر نہیں کرتے تھے۔

''تو آپ نے فائلز کاپی نہیں کیں؟'' حنین کے سامنے جب رات گئے وہ آکر بیٹھی تو ساری کتھا سن کر اس نے خفگی سے پوچھا تھا۔

''حنین' تمہارے خیال میں میں اتنی چالباز عورت ہوں کہ وہ آدمی زمین پہ گرا ہوگا' اپنے سینے کو تکلیف سے مسل رہا ہوگا اور مجھے فائلز کی فکر ہوگی؟'' اس نے سکون سے پوچھا تھا۔

''anxiety اٹیک ہی تھا نا۔مرتو نہیں گیا وہ۔آپ نے اتنا اچھا موقع ضائع کر دیا۔''

''میرے اس موقعے کا فائدہ اٹھانے کے بعد مجھ میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا؟''

''ہاں بالکل' ہم تباہ ہو جائیں گے' مگر چلو' ہم ان سے بہتر تو ہوں گے۔'' حنین طنز سے بولی تھی۔زمر چپ رہی۔

''خیر....آپ کو پتہ ہے....سعدی بھائی اپنے قرآن والے گروپ میں دوبارہ سے آ گیا ہے۔'' وہ بوجھل ماحول کو ہلکا بناتے ہوئے ٹیب کھول کر اس کے سامنے کر کے دکھانے لگی۔زمر کے تاثرات بدلے۔وہ تیزی سے آگے ہوئی۔پھر اسکرین پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کے کنارے نم ہوئے۔

''وہ سورۃ النمل پہ تدبر کرتا ہے۔مگر کرتے کرتے اب رک گیا ہے۔آدھی سورۃ کے بیچ۔'' احتیاط سے اس کے تاثرات دیکھ کر کہنے لگی۔''آپ بھی اچھا بولتی ہیں' بھائی کی طرح۔آپ کو چاہیے....کہ اس کی ادھوری سورۃ مکمل کر دیں۔کچھ لکھ دیں۔شاید اسے ضرورت ہو۔''

زمر سر جھٹک کر اٹھ گئی۔''مجھے کام ہیں بہت۔'' اس سے نظریں ملائے بغیر وہ باہر نکل گئی اور حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

.....❖❖❖.....

لے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو ..... تم نے تو ڈال دی ہے سپر تم کو اس سے کیا

اس رات کولمبو میں واقع پاکستانی سفارت خانے میں خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔آفسز مقفل تھے' سب چھٹی کر کے جا چکے تھے۔ ایسے میں ایک اندھیر کمرے میں جہاں بہت سے کمپیوٹرز پڑے تھے' ایک کی اسکرین روشن تھی اور اس کے سامنے بیٹھی عورت کھٹا کھٹ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہی تھی۔بار بار احتیاط سے دروازے کی طرف بھی دیکھتی۔اس کی گود میں رکھے پاس پہ کسی مرد کی تصویر بنی تھی۔(یہ وہ پاس تھا جس کو استعمال کر کے وہ اس جگہ داخل ہوئی تھی۔)

دفعتاً پرنٹر سے زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔صباحت پرنٹر پہ رکھی شے کو احتیاط سے درست کرنے لگی۔ساتھ ہی وہ کیز بھی دبا رہی تھی۔رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ پرنٹ شدہ کاغذوں کو جوڑ رہی تھی۔ان کا کور گہرا سبز تھا اور ان پہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان لکھا تھا.....

فصیح ہوٹل کی لابی میں تیز قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔جب اس کا فون بجا۔اس نے سرعت سے اسے کان سے لگایا۔

''سر' وہ نمبر آن ہو گیا ہے۔ابھی دو منٹ پہلے۔''

''اچھا تم یوں کرو....'' فصیح ہدایت دینے لگا کہ ٹوں ٹوں سنائی دینے لگی۔درمیان میں کسی اور کی کال آ رہی تھی۔اس نے جھنجھلا کر

فون کان سے ہٹایا تو ایک دم منجمد ہو گیا۔اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔

''وہ مجھے کال کر رہا ہے۔تم اس کی لوکیشن ٹریس کرو۔'' تیزی سے کہہ کر اس نے دوسری کال اٹھائی۔''کہیے۔''

''میں پوسٹر والے لڑکے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' دوسری طرف بوڑھا سنہالی بدقت کہہ رہا تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ اس دن آپ کو ڈپٹ دیا۔میں انعام کی رقم ایڈوانس میں دینے کو تیار ہوں۔'' اب وہ سبھاؤ سے بات کر رہا تھا۔

اسلام آباد کے اس ہسپتال کے کمرے میں اس رات اداسی اور تنہائی تھی۔ویران موسم' ویران دل۔وہ گھر جا سکتا تھا مگر خود ہی نہیں گیا۔

تنہا کمرے میں لیٹا رہا۔نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔وجیہہ چہرہ زرد سا تھا۔

اس سے ملنے کوئی نہیں آیا تھا۔جواہرات کو اس نے ہوش میں آتے ہی کال کی تھی اور اس پہ چیخا چلایا تھا۔جواب میں جواہرات اتنے ہی ہذیانی انداز میں اس پہ غرائی تھی۔''مجھے کسی چیز کا الزام نہ دو۔میں کس کرب سے گزر رہی ہوں تمہیں احساس ہی نہیں۔''

نوشیرواں کو اس نے کال نہیں کی تھی' مگر دل سے وہ چاہتا تھا کہ کاش وہ آ جاتا۔ایک دفعہ۔باقی کسی سے بھی ملنے سے اس نے خود انکار کر دیا تھا۔یہ الگ بات تھی کہ کوئی آیا ہی نہیں تھا۔نہ آفس سے' نہ دوستوں میں سے۔پتہ نہیں کیوں؟

اور جب سعدی یوسف ہسپتال سے کھو گیا تھا...تو کتنے ہی دن اس کے دوست اور قرابت دار اسی ہسپتال کے باہر پھولوں کے گلدستے رکھتے رہے تھے۔فرق کہاں سے آیا تھا؟ کس نے ڈالا تھا؟

دفعتاً اس نے تکیے کے ساتھ رکھا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔''ادریس...'' بولا تو آواز میں ذرا نقاہت تھی۔''کراچی میں سب ٹھیک ہے؟''

''جی کاردار صاحب' آپ کے بارے میں سنا تھا' اب طبیعت کیسی....''

''فارس کا بتاؤ۔'' اس نے درشتی سے بات کاٹی۔اپنی ''کمزوری'' کے عیاں ہونے کا احساس بہت تکلیف دہ تھا۔

''غازی؟ وہ ٹھیک ہے' کام کرتا ہے۔مزاج برہم رہتا ہے' مگر وہ بندہ برا نہیں ہے۔''

ادریس اب اسے فارس کی ''رپورٹ'' دے رہا تھا۔ہاشم نے مطمئن ہو کر فون رکھا اور ایک دفعہ پھر اپنے گرد پھیلی تنہائی کو دیکھا۔

جو فیصلہ وہ شہرین سے طلاق کے ان دو سالوں میں نہیں کر سکا تھا' وہ چند ساعتوں میں ہو گیا تھا۔اس نے ایک ٹیکسٹ لکھا (ہم اب مل سکتے ہیں' ریڈ؟) اور آبدار کے نمبر پہ بھیج دیا۔پھر قدرے سکون سے تکیے پہ سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

.....❖❖❖.....

اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے' لٹ بھی چکے ..... اور محبت وہی انداز پرانے مانگے

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر سناٹا چھایا تھا۔کسی کسی کمرے میں کوئی لیمپ جل رہا تھا۔ندرت اپنے کمرے میں بیڈ پہ جائے نماز بچھائے بیٹھیں' تسبیح پڑھ رہی تھیں۔(گھٹنوں کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں۔) ساتھ والے کمرے میں جھانکو تو حنین دوپٹہ اوڑھ کر قرآن اٹھائے بیٹھی' سبق یاد کر رہی تھی۔کل کے سبق میں سورۃ البینہ سنانی تھی اسے' اور وہ مسلسل آیات کو خلط ملط کر رہی تھی۔

''اف حنین' فوکس کرو' کیوں تم بار بار ایمان والوں کو ''نار جہنم'' میں پہنچا رہی ہو۔اور مشرکین کو باغات میں؟ اف۔'' اس کے اپنے مسئلے تھے اور یہ مسئلے اس کو اب اپنے مرضِ مستمر کو سوچنے ہی نہیں دیتے تھے۔

سیم' بڑے ابا کے کمرے میں سو رہا تھا۔(گو کہ اس کا اپنا کمرہ بھی تھا مگر رات کو وہ ادھر ہی سوتا تھا۔) زمر کے کمرے میں بھی لیمپ

جل رہا تھا۔وہ کارپٹ پہ جائے نماز ڈالے چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی تھی۔وہ کب کا سلام پھیر چکی تھی مگر یونہی بیٹھی تھی۔گاہے بگاہے نگاہ بیڈ کی دوسری طرف کو اٹھ جاتیں۔بس ایک رات ہی رہا تھا وہ اس کمرے میں۔پھر چلا گیا۔اب وہ کب آئے گا؟

''اللہ تعالیٰ' میں بہت بری ہوں۔'' وہ گہری سانس لے کر کہنے لگی۔زرد لیمپ میں مدھم روشنی میں بھی اس کا چہرہ اور ناک کی نتھ دمک رہی تھی۔''میں بہت سخت دل ہوگئی تھی' میں نے فارس کے ساتھ بہت زیادتی کی' مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔اس کے لئے انصاف حاصل کیا مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔میرا دل اس جتنا بڑا نہیں ہے۔میں اس سے غلط باتوں پہ لڑتی ہوں۔'' وہ یاسیت سے کہہ رہی تھی۔''جب مجھے پتہ تھا کہ وہ سعدی کے لئے ادھر گیا تھا' اور اسے آبدار کی....ضرورت تھی' اور ذرا سوچنے پہ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ آبدار نے جان بوجھ کر ایسی بات کہی تھی' ان کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر....اب میں بات کیوں نہیں کر لیتی اس سے؟ مگر نہیں....میری انا!'' پھر اس نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔آنکھیں بھیگ گئیں۔''مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ سمجھایا کہ دل کی نرمی تب ملتی ہے جب ہم قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔جب ہم دل سے قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔اور کیا ہوا جو وہ اپنی سورۃ مکمل نہیں کر سکا۔اس سے پہلے بھی تو میں نے سعدی کے بہت سے کام کئے ہیں نا' آج ایک اور سہی۔''

فارس اور اپنی معلق قسم کی ازدواجی زندگی کی ساری کلفت اور بددلی عنقا سی ہوگئی۔وہ نم آنکھوں سے مسکرائی اور اٹھ گئی۔پھر اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھی اور لیپ ٹاپ کی اسکرین کھولی۔

وہ گروپ میں مزید کچھ نہیں پوسٹ کر سکا تھا۔وہ سورۃ مکمل نہیں کر سکا تھا۔کوئی بات نہیں۔وہ کر لے گی۔

پہلے وہ اس کی لکھی تدبر اور تفکر کی باتیں غور سے پڑھنے لگی۔اس نے النمل کی 58 آیات لکھی تھیں۔کل آیات 93 تھیں۔وہ آدھی سے زیادہ سورۃ کر چکا تھا۔موسیٰ علیہ السلام کا قصہ....چیونٹیوں کی ملکہ کا قصہ....سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا قصہ....صالح کا قصہ....لوط علیہ السلام کا قصہ....اور بس! ابھی 35 آیات رہتی تھیں۔ابھی النمل کا ایک بڑا حصہ رہتا تھا۔ابھی داستان کی تکمیل کی راہ میں چند بڑے واقعات کا ہونا حائل تھا۔

زمر نے اگلی چند آیات وہاں لکھیں اور پھر....جی کڑا کر' ایک نئے عزم کے ساتھ....وہ ہر آیت کے نیچے اپنے الفاظ....اپنے دل سے کہے گئے الفاظ لکھنے لگی.....

میں پناہ چاہتی ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔

''آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے....اور سلام ہے اس کے بندوں پر....وہ لوگ جن کو اس نے ''چن'' لیا ہے.

...کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں؟''

''اوہ اللہ!'' اس نے آنکھیں بند کر لیں' پھر سر جھٹک کر کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے ٹائپ کرنے لگی۔الفاظ جانے کہاں سے آ کر انگلیوں سے کیز میں منتقل ہونے لگے۔

''میں ان آیات کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل یہ سوچ رہی تھی کہ میں انہیں کسی اور کی تشفی کے لئے لکھ رہی ہوں' مگر نہیں۔قرآن جب آپ سے مخاطب ہو تو وہ صرف آپ کے لئے ہوتا ہے۔اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے....بلکہ یہ فرمایا کہ ''آپ کہہ دیں' کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے۔'' لکھتے لکھتے اس کی انگلیوں میں روانی آ رہی تھی۔''حمد کہتے ہیں کسی کی پرفیکشن کی تعریف کو۔ہم سب کو معلوم ہے کہ اللہ ہی پرفیکٹ ہے' پرفیکٹ تعریف بھی اسی کی ہو سکتی ہے' مگر یہ بات ہمیں دوسروں کو بار بار بتاتے رہنا چاہیے کہ اللہ بہترین ہے۔بہترین دوست' بہترین مددگار۔ورنہ جب لوگ کافر ہونے لگتے ہیں' athiest بنتے جاتے ہیں' تو وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے اللہ ان کے لئے بہترین مددگار نہیں ہے۔ایسا نہیں ہوتا۔اللہ کل بھی آپ کا تھا' آج بھی ہے۔ہمیں یہ گلٹ اور ڈپریشن

رہتا ہے کہ ہم اس کے اب بہترین بندے نہیں رہے' مگر ہم تو اس کے بہترین بندے کبھی بھی نہیں تھے۔ساری تعریف' ساری حمد' ساری پرفیکشن ''ہمارے لئے'' تو کل بھی نہیں تھی۔جس گلٹ کو ہم دیوار بنا کر اللہ اور اپنے درمیان لے آتے ہیں' وہ تو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔آج اس غلطی پہ شرمندہ ہیں' کل کسی اور پہ نادم تھے۔ہم پرفیکٹ نہیں ہو سکتے تو پھر اللہ سے بات کرنے سے جھجکتے کیوں ہیں؟ غلطی ہوئی ہے تو معافی مانگو اور نئے سرے سے اللہ کے بندے بن جاؤ۔یہ اتنا آسان ہے۔کیونکہ کچھ لوگوں کو اللہ نے اپنے دین کے لئے چن لیا ہوتا ہے۔ان کو قرآن پہ تدبر کرتے رہنا چاہیے' اپنے لئے نہ سہی تو دوسروں کے لئے۔خوشی سے نہیں کریں گے تو قدرت آپ کو کھینچ کر' گھسیٹ کر اس طرف لے آئے گی مگر یہ آپ کو کرنا ہے۔آپ chosen one ہیں' پرفیکٹ نہیں ہیں تو اپنی خامیاں اور گناہ دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں۔توبہ کریں' اور پھر سے شروع کریں۔صرف اللہ ہی کے ساتھ تو انسان ہمیشہ ہر چیز نئے سرے سے شروع کر سکتا ہے!''

ٹھہر کر اس نے اگلی آیت دیکھی۔

''بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟

کس نے آسمان سے بارش برسائی؟

پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے۔تم تو ہرگز نہیں اگا سکتے تھے ان باغوں کے درختوں کو۔کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ تو وہ ہیں جو حق سے انحراف کرتے ہیں۔''

''مجھے بہت اچھے لگتے ہیں قرآن میں پوچھے گئے سوال۔'' وہ چہرہ جھکائے بورڈ پہ تیز تیز ٹائپ کر رہی تھی۔''ہر دفعہ اپنا دفاع کرنا' اپنے حق میں دلائل دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔کوئی اللہ کے وجود کو ماننے سے انکاری ہو تو اس کی طرف سوال ڈالا کریں' اسے سوچنے پہ مجبور کریں۔کوئی تو ہے نا جس نے اتنے انصاف سے زمین اور آسمان بنائے۔تو کیا وہ ہمیں انصاف نہیں دلائے گا؟ کوئی تو ہے نا جو آسمانوں سے بارش برساتا ہے' کبھی زمین پہ' کبھی دل پہ' اور اس بارش سے اگنے والے باغات انسان خود نہیں اگا سکتا۔مردہ زمین اور مردہ دلوں کو صرف اللہ زندہ کر سکتا ہے۔صرف اللہ کا قرآن کر سکتا ہے۔تو بجائے اپنے مردہ دل کا ڈپریشن لینے کے' کیوں نا اللہ سے کہہ دیا جائے کہ آپ مدد کریں' مجھ سے تو نہیں ہو رہا۔تو کیا وہ نہیں کرے گا مدد؟ میں ایک بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ اللہ انسان کو سارے وسائل دے دیتا ہے مگر انسانوں کو اس سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ خود زمین پہ آ کر ہمارے کام جادوئی طاقت سے سنوار دے گا۔اس نے آپ کو یہ عقل دی ہے سو یہ اس کی بہترین مخلوق کی توہین ہے کہ اس کو ہر شے پلیٹ میں دی جائے۔جیسے رزق کمانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ویسے ہی اپنے دل کو زندہ کرنے کے لئے بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔یوں گلٹ اور ڈپریشن لے کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

لکھ لکھ کر وہ اب تھک چکی تھی مگر جوش اور عزم ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔اس نے اگلی آیت آن لائن قرآن سے کاپی پیسٹ کی اور پھر اس کو زیرِ لب پڑھا۔

''بھلا کس نے بنایا زمین کو قرارگاہ

اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں

اور اس کے لئے پہاڑ بنائے

اور بنائی دو سمندروں کے درمیان آڑ

کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے بلکہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔''

''اچھا لگتا ہے آپ کی بیان کی گئی مثالیں پڑھنا' اللہ تعالیٰ۔'' وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی ٹائپ کیے جا رہی تھی۔بھوری آنکھیں کی بورڈ پہ جھکی تھیں۔''کبھی تو یہ زمین' آسمان' پہاڑوں اور سمندروں کی مثالیں لگتی ہیں' اور کبھی انسانوں کی۔کچھ انسان زمین جیسے ہوتے ہیں۔اتنا بوجھ

اٹھا کر بھی قرار وسکون میں ہوتے ہیں۔ ہلتے نہیں' لڑھکتے نہیں۔ کچھ نہروں جیسے ہوتے ہیں' سب کو سیراب کرتے ہیں' فائدہ پہنچاتے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ پہاڑوں جیسے ہوتے ہیں۔ مضبوطی سے اکڑ کر سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اپنا بوجھ تو کسی اور پہ.... ایک پرسکون زمین پہ.... ڈالے ہوئے ہیں۔ خود تو قرآن کا بوجھ بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور کچھ سمندر کے پانی جیسے ہوتے ہیں۔ کڑوا اور میٹھا پانی سمندر میں کتنی ہی جگہوں پہ ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے مگر دونوں کے درمیان آڑ ہوتی ہے۔ گوگل کرو تو کتنی ہی تصویریں نکل آتی ہیں جہاں پانی بھی پانی سے مل نہیں سکتا۔ دونوں کا رنگ فرق ہے' ذائقہ فرق ہے مگر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک اچھا ہے ایک برا' دونوں دشمن ہیں مگر ایک سمندر میں رہتے ہوئے ان کو ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ جس دن یہ آڑ ٹوٹی' سمندر میں طوفان برپا ہو جائے گا۔ ہر طرح کے لوگ دیکھ کر جاننے والے واقعی کہہ اٹھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کون ان کو بنا سکتا تھا؟ اور اللہ کے سوا کس کے سامنے ان سب کو جھکنا چاہیے؟''

اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے مسکرا کر اپنے لکھے الفاظ کو دیکھا۔ اگر وہ پڑھے گا تو وہ بھی اچھا محسوس کرے گا کیونکہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا تو عطر بیچنے والے جیسا ہوتا ہے۔ دوسروں کو عطر کی شیشیاں تھماتے تھماتے چند قطرے دکاندار کے اپنے ہاتھوں پہ بھی لگ جاتے ہیں اور وہ خود بھی معطر ہو جاتا ہے' چاہے آخر میں اس کے پاس ایک شیشی بھی نہ بچے۔

اور زمر کو اتنے سال بعد اپنے کمرے سے خوشبو آنے لگی تھی۔ آج وہ واقعی میں خوش تھی۔

.....❖❖❖.....

کل تاریخ یقیناً خود کو دہرائے گی ..... آج کے اک اک منظر کو پہچان میں رکھنا

وہ صبح جب قصرِ کاردار پہ اتری تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مغرور انسانوں کی طرح وہ صرف دیکھنے میں وزنی لگتے تھے' اندر سے کھوکھلے تھے۔ گرج رہے تھے مگر خیر و برکت کے قطرے برسانے والے نہیں لگتے تھے۔

اونچے ستونوں والے برآمدے کے سامنے سبزہ زار پہ کار آ رکی اور ڈرائیور نے جھٹ سے دروازہ کھولا۔ پچھلی سیٹ سے علیشا باہر نکلی۔ اس کے سیاہ بال کندھوں تک آتے تھے' گرے ٹاپ کے گریبان پہ سن گلاسز اٹکی تھیں' اور ماتھے کے اوپر ہیئر بینڈ سے بال پیچھے کر رکھے تھے۔ سرمئی آنکھیں اٹھا کر اس نے برآمدے میں کھڑی جواہرات کو دیکھا جو نک سک سے تیار' چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

علیشا نے تھوک نگلا اور جی کڑا کر برآمدے کے زینے پہ چڑھنے لگی' یہاں تک کہ وہ جواہرات سے دو زینے نیچے رہ گئی۔

''آپ نے مجھے بلوایا؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ تحکم سے کہتی مڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا نے ایک نظر آس پاس ہاتھ باندھے کھڑے ملازموں پہ ڈالی پھر اس کے پیچھے ہو لی۔

''یہ میرے والد کی تصویر ہے۔'' لاؤنج کی ایک دیوار کے قریب رک کر جواہرات نے چتون سے اشارہ کیا۔ وہ ہنوز سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے' گردن کی پشت پہ پڑے تھے۔ ''اور یہ میرے کزنز ہیں۔ یہ میری والدہ کی فیملی ہے۔'' وہ مختلف تصاویر کے اوپر نگاہ دوڑاتے کہہ رہی تھی۔

''یہ سب خاندانی تھے۔ اپنے علاقوں کے رئیس تھے۔ سیاسی اکابرین تھے۔ عزت دار لوگ تھے۔ مگر اورنگزیب....'' اب کے وہ پلٹ کر علیشا کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تھی۔ علیشا خاموشی سے سنے گئی۔ ''اورنگزیب ان کی طرح رئیس تھا نہ دولت مند' مگر وہ خاندانی تھا۔ عزت دار تھا۔ اسی لئے اس کو میں نے اپنے لئے منتخب کیا۔ اس کو دو بیٹے دیے۔ خاندانی اور بااثر بیٹے۔ ہمارے سارے خاندان میں... سات نسلوں میں....'' انگلی گھما کر اشارہ کیا۔ ''کوئی اتنا نجس' غیر خاندانی اور غلیظ نہیں ہے جتنی کہ تم!''

''مسز کاردار!'' علیشا کی آنکھوں میں سرخ لکیریں ابھریں۔ آواز کانپی۔

''آواز نیچی رکھو۔'' وہ جواباً اتنے زور سے غرائی کہ علیشا بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔ ''تم میرے سامنے کھڑی ہو اور میں.... میں .... یہاں کی.... ملکہ ہوں! اگر تمہیں رہنا ہے اس گھر میں تو تم میرے متعین کئے طریقے سے رہو گی۔ یہ مت سمجھنا کہ میرا بے وقوف بیٹا تمہاری مدد کو آئے گا۔ ہاشم کی پیشکش پہ حامی بھرنے کا ارادہ ظاہر کر کے تم نے نوشیرواں کی حمایت کھو دی ہے۔ وہ تمہارے اپارٹمنٹ کا مزید کرایہ نہیں بھرے گا۔ اوہ ایسی شکل نہ بناؤ۔ میں نے آفس میں رپورٹ کرنے والے بہت سے پرندے پال رکھے ہیں۔''

علیشا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''تم نیچے والے سرونٹ رومز میں سے ایک میں رہو گی۔ ان شیئرز کو تم بیچ نہیں سکتی' اس لئے تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر اس شہر میں رہنا ہے اور ان شیئرز کا منافع وصول کرتے رہنا ہے تو....'' ابرو سے دور کھڑی میری کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی۔ ''تو میری کے ساتھ جاؤ اور اپنا کمرہ دیکھ لو۔''

علیشا نے ایک بے بس نگاہ میری کے اوپر ڈالی' اور پھر اس کے ساتھ خاموشی سے چل دی۔

''ملکہ سے ٹکر نہیں لینی چاہیے علیشا!'' جواہرات نے پیچھے سے پکارا تھا۔ میری اینجیو نے اس بات پہ گردن ذرا موڑ کر لاؤنج کے پودوں پہ اسپرے کرتی فیونا کو دیکھا جو اندر تک کلس گئی تھی۔ ''کیونکہ شطرنج کی بساط پہ صرف ملکہ ہوتی ہے جو جب چاہے' جتنی چاہے چالیں چل سکتی ہے۔'' علیشا مڑی اور ایک نظر اسے دیکھا۔

''مگر شہہ مات صرف بادشاہ کر سکتا ہے' مسز کاردار' اور ملکہ سب سے بڑی چالباز تو بن سکتی ہے' مگر وہ بادشاہ نہیں بن سکتی۔'' اور مڑ گئی۔

''میں اپارٹمنٹ سے اپنا سامان لے آؤں۔'' میری کے ساتھ جانے کی بجائے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی ہوئی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد' اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ موبائل پہ ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگائے' اپنا سامان اکٹھا کر رہی تھی۔

''ہیلو.... مسز ندرت.... میں علیشا بات کر رہی ہوں۔ جی میں ٹھیک ہوں۔ میں نے مسز زمر سے بات کی تھی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' میں حنین سے ملنا چاہتی ہوں مگر وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ کیا آپ میرے اور اپنے درمیان یہ بات رکھیں گی اگر میں آپ سے کہوں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔'' ذرا دیر کو ٹھہر کر بات سنتے وہ اپنے کپڑے بیگ میں اڑس رہی تھی۔

''مجھے اپنا Ants everafter والا کی چین واپس چاہیے۔ کیا حنین اور زمر کے علم میں لائے بغیر آپ مجھے وہ دے سکتی ہیں؟ میں وعدہ کرتی ہوں دوبارہ آپ کو یا آپ کی بیٹی کو تنگ نہیں کروں گی۔'' وہ بہت منت سے کہہ رہی تھی۔

❖❖❖

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی ..... یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا

کینڈی کی اس کافی شاپ کے کچن میں سعدی کھڑے کھڑے کاؤنٹر پہ جھکا لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھ رہا تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہ خوش کن بھی تھا اور اداس کرنے والا بھی۔ اس نے سورۃ شروع کی تھی' کوئی اور اسے مکمل کر رہا تھا۔ قرآن انسانوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان محتاج ہوتے ہیں۔ آپ نہیں کریں گے تو کوئی اور آ جائے گا۔ دین کا کام ہوتا رہے گا۔ اس کا جیسے دل زخمی ہو گیا تھا مگر مسکرانے کا دل چاہ رہا تھا۔ پھر اسکرین فولڈ کر کے وہ اٹھا تو مونچو کے رونے کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑا اور مستطیل کچن سے باہر آیا۔

باہر بوڑھا روپا سنگھی کیش کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اپنے موبائل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ایڈوانس کی رقم ابھی تک اسے موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ ناخوش اور بے چین لگ رہا تھا۔ نگاہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا جو باہر آ رہا تھا' جہاں کامنی کھڑی غصے سے مونچو کو جھڑک رہی تھی اور وہ

"ممی سے آنسو پونچھتا" ہچکچا رہا تھا۔ ساتھ ہی دو خوبصورت کانچ کے پیالے نیچے چکنا چور ہوئے بکھرے تھے۔ کامنی غصے سے اسے سنہالی میں
ممّا ایسا کہہ رہی تھی جو ندرت برتن ٹوٹنے پہ اسے کہا کرتی تھیں۔

"کیا ہوا؟" سعدی رسان سے پوچھتا آگے آیا۔ کامنی خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

"یہ لڑکا کبھی نہیں دیکھ کر چلتا۔ میرے نئے پیالے توڑ دیے۔" وہ صدمے میں تھی۔

"پیالے مونچو سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھے کامنی۔" وہ نرمی سے کہتا آگے آیا اور پنجوں کے بل مونچو کے سامنے بیٹھا' اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ بوڑھا روپا سنگھی آگے ہو کر دیکھنے لگا۔ کچھ تشویش' کچھ اچنبھے سے۔

"صرف ان دو پیالوں کے لئے تم اتنے پیارے مونچو کو ڈانٹ رہی ہو؟" مونچو اب اپنے ہاتھ چھڑاتا' سر جھکائے زور زور سے رونے لگا تھا' مگر سعدی نے اس کے ہاتھ نہیں چھوڑے۔

"کیا تھا جو یہ دیکھ کر چل لیتا۔"

"کامنی!" اس نے نظریں اٹھا کر سنہالی عورت کو دیکھا۔ "یہ برتن اسی وقت' اسی لمحے ٹوٹنے ہی تھے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ میری قسمت تھی کہ...."

"نہیں' یہ ان برتنوں کی "عمر" تھی جو ختم ہو گئی تھی۔" پھر مونچو کی طرف مڑا۔ "ہر چیز کی عمر ہوتی ہے' جب وہ عمر ختم ہو جاتی ہے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ سو برتن ٹوٹنے کا غم نہیں کرتے مونچو۔ یقین کرو اگر تم سے نہ ٹوٹتا یہ پیالہ تو تمہاری اس چڑیل جیسی ماں سے ٹوٹ جاتا۔"

مونچو آنسوؤں کے درمیان ہنس پڑا۔ روپا سنگھی بھی آگے ہو کر یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ مسکرا دی۔ تب سعدی کھڑا ہوا۔ مونچو ننھی ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتا باہر کو بھاگ گیا تب وہ کامنی سے بولا۔ "میرا بھی باپ نہیں تھا۔ ہم بن باپ کے بڑے ہوئے تھے۔ بن باپ کے بچے کو سب کے سامنے نہ ڈانٹا کرو۔ وہ دلاسے کے لیے کس کے پاس جائے گا؟ اپنے بچوں کو خود سے ہی اتنا تنہا نہیں کرنا چاہیے!" وہ نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ روپا سنگھی کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پھر کتنی ہی دیر بعد وہ کچن میں آیا۔

"سنو!" سعدی دوباہ لیپ ٹاپ اسکرین کھول کر بیٹھا تھا جب مضطرب اور بے چین سا روپا سنگھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "تم چلے جاؤ۔" سعدی نے گہری سانس لی۔

"سر' میں بہت جلد چلا جاؤں گا' آپ لوگوں کے لئے مسئلہ نہیں...."

"میں نے پوسٹر والے نمبر پہ کال کر دی تھی۔ وہ آ جائیں گے۔ انہوں نے میری لوکیشن بھی ٹریس کر لی ہوگی۔ پیسے نہیں بھیجیں گے۔ تم.... تم بھاگ جاؤ۔" وہ آنسو ضبط کئے جلدی جلدی بول رہا تھا اور سعدی یوسف کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

❖❖❖

زمین پیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے ...... میں ایسے حادثوں پہ دل مگر چھوٹا نہیں کرتا

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں علیشا اپنا ٹرالی بیگ خود گھسیٹتی خاموشی سے میری کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔ ڈائننگ ہال میں سربراہی کرسی پہ بیٹھی جوس کے گھونٹ بھرتی جواہرات نے ایک نظر اسے دیکھا' اور پھر سر جھٹک کر مصروف ہو گئی۔ احمر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اسے ایک پریزنٹیشن دکھا رہا تھا۔ علیشا کو دیکھ کر اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"اس لڑکی کو یہاں کیوں رہنے دیا آپ نے؟"

"تا کہ میرے دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس وقت اس کو اپنی نگرانی میں رکھنا ضروری ہے۔" احمر سر ہلا کر رہ گیا۔

اسی لمحے لاؤنج کا مرکزی دروازہ کھلا اور ہاشم نمودار ہوا۔آستین کہنیوں تک موڑے' گریبان کا ایک بٹن کھلا تھا' کوٹ بازو پہ ڈالا ہوا تھا' چہرے پہ قدرے نقاہت تھی۔ ملازم ساتھ آ رہے تھے' اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو گویا واپس پلٹنے کا کہا۔ چند قدم آگے آیا تو جواہرات تیزی سے ڈائننگ ہال سے ادھر آتی دکھائی دی۔ چہرے پہ تشویش تھی۔احمر وہیں بیٹھا رہا۔

''ہاشم' تمہیں ابھی ہاسپٹل میں رہنا چاہیے تھا۔تم نے منع کر دیا ورنہ میں آ جاتی۔'' اس نے ہاشم کا بازو تھامنا چاہا مگر اس نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔''میرے کاروبار کو اتنا بڑا دھچکا دینے کے بعد مجھ سے مخاطب بھی کیسے ہو سکتی ہیں آپ۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔''

جواہرات نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔آنکھوں میں خفگی اتری۔''یہ ہم سب کا کاروبار ہے۔''

''نہیں ہے یہ ہم سب کا کاروبار۔'' وہ غرایا تھا۔''جب میرے باپ کو اپنی سیاست اور آپ کو اپنی بیوٹی ٹریٹمنٹس سے فرصت نہیں تھی' تو میں تھا جو اپنا خون جلا کر اس کاروبار کو پھیلا رہا تھا۔ یہ سب....میرا کمایا ہوا ہے۔'' سینے پہ انگلی سے دستک دے کر سختی سے بولا تھا۔''میں نہ ہوں تو آپ دونوں سڑک پہ آ جائیں۔مگر آپ....آپ نے میرا سوچے بغیر صرف اس بے غیرت آدمی کے لئے غلط لوگوں سے دشمنی مول لی۔ اس وقت میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''اوہ ڈونٹ یو ڈیئر!'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائی تھی۔''تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں۔تم دونوں کے لئے....تم دونوں کے لئے کیا کیا کر چکی ہوں میں' تم احساس بھی نہیں کر سکتے۔''

''واٹ ایور!'' وہ ہوا میں ہاتھ کو جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات پیر پٹختی واپس مڑ گئی۔احمر نے سر جھکا دیا۔اس نے ساری باتیں سن تھیں۔

نوشیرواں اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا تیار ہو رہا تھا جب ہاشم اس کے دروازے کے باہر رکا۔شیرو نے ذرا کی ذرا اسے دیکھا' پھر برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔ ماتھے پہ خوامخواہ کے بل بھی ڈال لیے۔

''میں رات ہسپتال میں تھا۔'' وہ سرد لہجے میں گویا ہوا' مگر اس میں بھی آنچ تھی۔شیرو کا برش کرتا ہاتھ رکا' پھر دوبارہ چلنے لگا۔

''معلوم ہے۔ جب آپ کی سیکرٹری نے بتایا کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے تو جانتا تھا میں' یہ بھی کوئی نیا جھوٹ ہوگا۔اور وہ ایا نکلا؟ صرف anxiety attack آپ لوگ تو بیماری میں بھی اپنا ''پنچ'' نہیں چھوڑتے۔'' تلخی سے وہ بولا تھا۔''جب مجھے پٹوایا تھا اس لڑکے سے تو میں بھی ہسپتال داخل رہا تھا۔آپ مجھے تب دیکھنے آئے ہوتے تو میں بھی کل آ جاتا شاید۔''

''وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔کبھی بھی نہیں۔ میں نے اسے روح پہ زخم دیے تھے۔اس کے اپنوں کو قتل کروایا تھا' مگر وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔'' اس کی بات کا اثر لئے بغیر ہاشم سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔شیرو بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہ....نوشیرواں....تمہارے پیچھے آئے گا۔''

نوشیرواں کا خون اس کی رگوں میں جم گیا۔وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گیا۔

''اور اب تم جتنا پچھتا لو...اور میں جانتا ہوں کہ تم پچھتاتے ہو....مگر اب اس کا فائدہ نہیں ہے۔ وہ ایک دن تمہارے پیچھے آئے گا۔ وہ تمہیں گھسیٹے گا....یا انتقام کے لئے یا انصاف کے لئے....اور اس دن نوشیرواں....'' انگلی اٹھا کر اس نے تنبیہہ کی۔''اس دن تمہیں میری قدر ہوگی۔اس دن تم جانو گے کہ جب میں کہتا ہوں' ہاشم سنبھال لے گا تو ہاشم کیسے سنبھالتا ہے۔اور اس دن تم چاہو گے کہ میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں اور میں....'' وہ سانس لینے کو رکا۔نوشیرواں کا بھی سانس رکا۔اسے لگا اب ہاشم کبھی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔

''اور میں اس دن تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں۔''

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا' اور نوشیرواں پہ کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ ساکت و جامد کھڑا رہ گیا۔

.....❖❖❖.....

بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں ..... میں دل کی بات مگر دیوار پہ لکھا نہیں کرتا

وہ کافی شاپ کے اوپر ''شفیع احمر'' کے لئے مختص کمرے میں روپا سنگھی کے سامنے کھڑا تھا اور بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر مجھ سے اتنی شکایت تھی تو مجھے کہا ہوتا' میں چلا جاتا۔ مگر ان لوگوں کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر انہوں نے مجھے جان سے مار دیا تو میرا خون

آپ کے ہاتھ پہ ہوگا۔''

''تم ہو کون جس پہ میں اعتبار کرتا؟ س پوسٹر کے مطابق تم تامل جاسوس ہو۔ یہ میرا فرض تھا' ایک فوجی ہونے کے ناطے کہ میں تمہاری رپورٹ کرتا۔'' وہ کچھ پشیمان' کچھ بپھرا ہوا تھا۔

''بس کرو مسٹر روپا سنگھی۔'' سعدی نے اکتا کر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ''تم نے یہ صرف انعام کی رقم لے لئے کیا ہے۔'' بوڑھا مزید طیش کے عالم میں کچھ اور بھی کہتا مگر دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور کامنی استفہامیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی اندر داخل ہوئی۔

''باہر کوئی تم سے ملنے آیا ہے شفیع۔ وہ تمہاری تصویر دکھا کر پوچھ رہا ہے تمہارا۔'' پھر باپ کو دیکھا۔ ''آپ کیوں لڑ رہے ہیں اس سے؟''

سعدی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ''پلیز اس کو میرا نہ بتانا۔ وہ مجھے ڈھونڈنے آنے والوں میں سے ہے....''

کامنی مطمئن نہیں تھی مگر وہ واپس نیچے اتر گئی۔ کافی شاپ کے ہال میں آئی تو دیکھا' وہ کاؤنٹر کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سیاہ رنگت' حبشی صورت اور سفید چمکتے دانت۔

''جی؟'' وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''میں اس نئے لڑکے سے ملنا چاہتا ہوں جو سنا ہے جادوئی کرتب دکھاتا ہے۔''

''ہاں وہ بہت امیزنگ ہے۔ آپ اس سے مل کر بہت محظوظ ہوں گے۔ ابھی وہ باہر گیا ہے' کراکری شاپ تک۔ یہ تین بلاک چھوڑ کر۔ جیسے ہی آتا ہے میں آپ کو ملواتی ہوں۔ کچھ آرڈر کریں گے آپ؟'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''نہیں۔'' فصیح کھڑا ہو گیا۔ ''کس شاپ تک گیا ہے وہ؟ پتہ سمجھا دیں گی آپ مجھے؟'' اس کو پتہ سمجھا کر وہاں سے بھیج کر کامنی اوپر آئی تو وہ دونوں ابھی تک لڑ رہے تھے۔ سعدی کا بیگ اس کے کندھے پہ تھا۔

''وہ چلا گیا ہے۔ اب مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''میں بتاتا ہوں۔'' روپا سنگھی ذہنی تناؤ اور مایوسی سے بپھر کر بولا۔ ''یہ لڑکا فراڈ ہے۔ تامل جاسوس ہے۔ کولمبو میں اس کی شکل کے most wanted پوسٹر لگے ہیں۔ یہ ہمیں بھی دھوکہ دے رہا تھا۔''

کامنی نے ناسمجھی سے سعدی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔

''نہیں پاپا' اس کی گرل فرینڈ کی فیملی امیر ہے' تو وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور....''

''کوئی لڑکی نہیں ہے کامنی۔ اس کی کوئی لو اسٹوری نہیں ہے۔ یہ دہشت گرد ہے۔''

''میں دہشت گرد نہیں ہوں۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''مگر تم ایک قاتل ہو۔ میرے ایسوسی ایٹ کو زہریلے پین سے ہلاک کر کے بھاگنے والے قاتل ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں' سعدی

یوسف؟''

بوٹ کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر.... فصیح کا سیاہ چہرہ چوکھٹ میں نمودار ہوا۔ کامنی ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹی۔ روپا سنگھی کا رنگ اڑ گیا۔ سعدی نے پتھرائے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ ایک دم پستول نکال کر' دونوں بازو لمبے کئے' اس پہ تان لیا۔

''کیا اس نے آپ لوگوں کو اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا؟'' فصیح نے چوکھٹ میں کھڑے' مسکرا کر پوچھا تھا۔ کامنی نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نظر میں سب کچھ تھا۔ صدمہ' بے اعتباری' یقین ٹوٹنے کا دکھ۔ مگر سعدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ پستول تانے' نظریں فصیح پہ گاڑھے ہوئے تھا۔

''پیچھے ہٹ جاؤ فصیح' ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔''

''نہیں' تم اگلے ہی لمحے پستول نیچے کر دو گے جب تم یہ دیکھو گے۔'' کہنے کے ساتھ فصیح' جو چوکھٹ سے لگ کر کھڑا تھا' ذرا بائیں طرف کو ہوا اور.... اپنے دائیں ہاتھ سے کسی کو کھینچ کر اپنی ٹانگ کے ساتھ لا کھڑا کیا۔ ڈرا سہما سا مونچو جس کے منہ پہ ڈکٹ ٹیپ بندھی تھی اور ہاتھ بھی کمر پہ ٹیپ سے بندھے تھے۔ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر گال پہ لڑھک رہے تھے۔ کامنی کی بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ روپا سنگھی بھی چلایا تھا۔ ''وہ بچہ ہے' اس کو چھوڑ دو۔ یہ میرا نواسا ہے۔ تمہیں خبر دینے والا میں تھا۔''

فصیح نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا پستول بچے کے سر پہ تھا۔ سعدی نے ایک لفظ کہے بنا پستول زمین پہ ڈال دیا۔

''بچے کو چھوڑ دو۔''

''پہلے تم یہ پہنو۔'' اس نے ہتھکڑی کے دو باہم جڑے کڑے میز پہ ڈالے۔ ادھر روپا سنگھی مسلسل اسے بچے کو چھوڑنے کا کہہ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر چہرے پہ لڑھکتے گئے۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''اوکے!'' سعدی چند قدم آگے آیا' کامنی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ ''تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہوگا۔'' مگر اس نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تو اس نے خاموشی سے ہتھکڑی اٹھائی' اور اپنے ہاتھ کو پیچھے کو باندھ کر ہتھکڑی پہن کر کلک کی آواز سے بند کر دی۔

''اب میرے آگے چلو۔'' فصیح نے کہتے ہوئے اپنا کوٹ اتارا' اور سعدی کے کندھوں پہ ڈال دیا۔ اب اسے دیکھنے پہ یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے ہیں۔

فصیح بچے کو اپنے ساتھ گھسیٹے' سعدی کو آگے چلائے' سیڑھیاں اتر کر شاپ کی پچھلی سمت سے باہر نکلا۔ بچے کو اس نے سیڑھیوں کے دہانے پہ چھوڑ دیا اور خود سعدی کے پیچھے چلتے ہوئے اسے مسلسل ''سیدھا چلو' اب دائیں مڑو۔'' کہتا آگے چلاتا گیا۔ سعدی کندھوں پہ لمبا کوٹ ڈالے' سنجیدہ چہرے کے ساتھ چلتا گیا۔

صبح کے وقت گلیوں میں رش تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ کسی دوسرے کی فکر نہیں۔ ایسے میں وہ خاموشی سے فصیح کے آگے چلتا جا رہا تھا۔ وہ بھاگتا تو فصیح سائلینسر لگے پستول سے اسے گولی مار دیتا وہ جانتا تھا۔

ایک جگہ سڑک کنارے چلتے چلتے فصیح نے اسے پہاڑی سے اتر جانے کی ہدایت دی۔

''تم مجھے کسی ویران جگہ پہ لے جانا چاہتے ہوتا کہ مجھے مار سکو۔ اوکے۔'' وہ سر کو خم دیتا' جوگرز ڈھلان پہ رکھتا نیچے اترنے لگا۔

''بکواس نہیں کرو۔ چپ چاپ اترو۔'' وہ گرج کر بولا۔

''سزائے موت کے مجرم سے بھی اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔ مجھ سے نہیں پوچھو گے۔ میں جانتا ہوں ابھی واپس جا کر تم کامنی کے خاندان کو بھی مار دو گے۔''

''اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' سعدی چونکا مگر فصیح نے پیچھے سے پستول کا ٹہوکا دیا تو وہ آگے چلنے لگا۔

وہ دونوں چلتے چلتے ایک پہاڑی گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔چائے کے باغات کی سوندھی مہک یہاں بھی محسوس ہوتی تھی۔اوپر آسمان پہ مطلع صاف تھا۔پھر بھی چھایاسی تھی۔سورج کسی اوٹ میں تھا۔اس پہاڑی گھاٹی میں ایک جگہ فصیح نے اسے رک جانے کو کہا۔

''یہاں گھٹنوں کے بل بیٹھو۔''

''تاکہ تم میری گرن اتار سکو۔صحیح!'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا۔کندھوں پہ کوٹ ڈالا تھا' ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے۔گردن موڑ کر اس نے فصیح کو دیکھا تو چہرے پہ سکون تھا۔''میں موت سے نہیں ڈرتا۔مگر کامنی کے خاندان کے لیے کیا انتظام کیا ہے تم نے؟ بتادو!''

فصیح اب پستول اس پہ تانے' اس کی پیشانی کا نشانہ لئے' سامنے آ کھڑا ہوا۔

''وہ میرا اور تمہارا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔اس کافی شاپ کے ہر شخص کی موت کے ذمہ دار تم ہو۔''

''کیا کیا ہے تم نے؟'' سعدی کا دل زور سے دھڑکا۔''کیا تم نے ان کی شاپ میں کوئی بم وغیرہ فٹ کیا ہے؟''

''میں اتنے پیچیدہ چکروں میں نہیں پڑا کرتا۔کچن میں داخل ہو کر میں نے دودھ کے ابلتے دیگچے میں دو گھونٹ جتنا بے ذائقہ زہر ملایا تھا۔'' پھر اس نے جیسے سوچنے کی اداکاری کی۔''اسی دودھ سے ابھی سب کی کافی بنے گی' چائے بنے گی' بچہ بھی وہی دودھ پیئے گا نا۔چچ چچ بے چارے۔'' سعدی نے لب بھینچ لیے۔

''دیکھو تمہیں مجھے مارنا ہے تو مار دو مگر مجھے ایک دفعہ ان کو کال کر کے بتانے دو کہ دودھ زہریلا ہے۔وہ اچھے لوگ ہیں۔ان کے ساتھ ایسا نہ کرو۔''

''سوری.... یہ نہیں ہوسکتا۔'' وہ پستول پھر سے اس پہ تان کر ایک آنکھ بند کیے نشانہ لیے ہوئے تھا۔''اگر کسی صورت میں انہوں نے دودھ ضائع کر دیا تب بھی میں جا کر ایک ایک کو حادثاتی موت کا شکار کر ہی دوں گا کیونکہ وہ سب میرا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔''

سعدی نے سر جھکایا اور گہری سانس لی ''یعنی فصیح' مجھے تمہیں روکنے کا مستقل انتظام کرنا ہوگا؟''

''تم مجھے باتوں میں الجھانا چاہتے ہو؟'' اس نے کہنے کے ساتھ پستول سعدی کی پیشانی پہ رکھا۔ٹھنڈی نال اس کی جلد سے جیسے ہی ٹکرائی' اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

''کلمہ پڑھ لو۔'' فصیح نے غرا کر کہا۔سعدی نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم بھی!'' اور اگلے ہی لمحے سعدی نے کوٹ سے ہاتھ نکال کر اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر مروڑا....ایک سیکنڈ کا عمل تھا' اور وہ بجلی کی رفتار سے اٹھ کر فصیح کو گردن سے دبوچ چکا تھا۔

فصیح تڑاتڑ ٹریگر دباتا گیا' گولیاں سامنے فضا میں گم ہوتی گئیں مگر سعدی اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا تھا' اور اپنے بازو کے شکنجے میں اس کی گردن لے لی تھی۔فصیح اس کے بازوؤں کے نرغے میں پھڑپھڑاتا' مسلسل زور لگاتا' پستول کا رخ پیچھے کو موڑنے لگا' مگر اس سے پہلے کہ وہ پیچھے کی طرف گولی چلا سکتا' سعدی یوسف نے اپنی آنکھیں بند کئے' زور سے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔

فصیح کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔زندگی کی ڈور بھی ٹوٹ گئی۔اس نے ہچکی کی سی صورت آخری سانس لی۔اور پھر....گردن ڈھلک گئی۔

سعدی نے اپنے بازو ہٹا دیے۔فصیح کی لاش زمین پہ جا گری۔اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' اور ان میں کوئی تاثر نہ تھا۔تاثر تو سعدی کی آنکھوں میں بھی نہ تھا۔وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ پیر کی ٹھوکر سے اس کی لاش کو پرے کرتا گیا یہاں تک کہ لاش پہاڑی کے دہانے پہ آ رکی۔سعدی نے ایک اور ٹھوکر ماری' اور لاش نیچے لڑھک گئی۔خاردار جھاڑیوں بھری ڈھلان سے لاش نیچے گرتی چلی گئی۔دور نیچے....اندھی

کھائی میں۔

اس نے فصیح کا کوٹ بھی اچھال کر نیچے پھینکا' پھر اس کا موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالا۔اور دونوں ہاتھ جھاڑتا وہ اوپر ڈھلان پہ چڑھنے لگا۔چہرہ سنجیدہ تھا۔بے تاثر اور سرد۔دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔

معرکے کی اس جگہ پہ کھلی ہوئی ہتھکڑی اور اس کے لاک میں گھسی سیاہ ہیئر پن زمین پہ گری پڑی تھی۔یہ کامنی کی ہیئر پن تھی جو اس نے جاتے سمے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وقت اتاری تھی۔اور اس کو سارا راستہ کوٹ کے اندر چھپے ہاتھوں کی ہتھکڑی میں گھساتے وقت اس کے ذہن میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔''لاک کی چھے پنیں...ون...ٹو...تھری...فور...فائیو...سکس....اور کلک...''

❖❖❖

یا رب یہ کس نے ٹکڑے کیے روزِ حشر کے ..... مجھ کو تو گام گام پہ محشر بپا ملا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔زمر تیار سی کمرے سے باہر نکل رہی تھی' اور دوسرے ہاتھ سے گیلے گھنگریالے بال کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی جب ندرت نے اسے پکارا۔وہ ہاتھ میں کفگیر لئے سامنے کھڑی تھیں۔قدرے متفکر' قدرے متحیر۔

''مجھے علیشا کا فون آیا تھا۔وہ جوجنین کی امریکی سہیلی ہے۔''اور یہ تو طے تھا کہ یوسفزاب باتیں نہیں چھپائیں گے' سو وہ اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔وہ قدرے حیرت سے سنتی گئی۔

''آپ اسے کہیے گا وہ کی چین سعدی کے ساتھ کھو گیا تھا۔باقی معاملہ میں دیکھ لوں گی۔''اس کا فون بجنے لگا تو وہ اسے کان سے لگاتی اسی رفتار سے بولتی آگے آئی۔

''جی' میں کل آ نہیں سکی' ایک عزیز کی عیادت کے لئے چلی گئی تھی' تو پھر آج....''رک کر اس نے کچھ سنا۔پہلے آنکھوں میں حیرت ابھری' پھر شاک۔''کیا مطلب انہوں نے ڈیل سائن کر لی؟ وہ میرے کلائنٹس تھے۔ان کو کیسے پتہ تھا کہ میں نہیں آؤں گی؟ اوہ....''اور احساس انکشاف جیسا تھا۔اس نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔''میں سمجھ گئی۔انہیں ہاشم کاردار نے کہا ہوگا کہ زمر یوسف کو میں نے بے کار ڈاکومنٹس لکھوانے اپنے پاس روک رکھا ہے سو تم لوگ اس کے کلائنٹس کو خراب کر دو۔واؤ۔اس آدمی کا دماغ ہسپتال کے بیڈ پہ بھی نہیں تخریب کاری سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا' اور میں اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔''فون بند کر کے وہ خود کو کوس رہی تھی۔چہرہ غصے میں سرخ ہو رہا تھا۔

سامنے بیٹھی چائے کگ سے گھونٹ بھرتی جنین نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔''اور آپ نے ہاشم سے انسانی ہمدردی کے تحت اتنا اچھا موقع گنوا دیا اس کی فائلز کاپی کرنے کا۔''

زمر چند لمحے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی' پھر تیزی سے اندر گئی اور۔۔واپس آئی تو حنہ کی فلیش ڈرائیو اس کے سامنے پٹخی۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اگر میں اس وقت ہاشم کی فائلز کاپی کرتی تو مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہوتا؟ اور یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا تمہیں اتنی چالباز لگتی ہوں کہ وہ زمین پہ گرا کراہ رہا ہوگا اور مجھے فائلز کی فکر ہوگی۔''

''تو؟''جنین نے کندھے جھٹکے۔

''تو یہ کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے فائلز کاپی نہیں کیں' میں نے تو صرف ایک سوال پوچھا تھا۔''جنین نے بے اختیار مگ والا ہاتھ نیچے کیا۔وہ ششدر رہ گئی تھی۔زمر دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر اس کی طرف جھکی۔''اور جواب یہ ہے کہ میں اتنی ہی چالباز ہوں' اور اگر اب میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو نہ سہی! مگر.... ہاشم کی ساری فائلز اس میں ہیں۔''

جنین نے بے یقینی سے فلیش کو دیکھا اور پھر اسے۔

''اس کا لیپ ٹاپ آن تھا' پاسورڈ کی ضرورت نہیں پڑی۔اس کے آفس میں کوئی سی سی ٹی وی بھی نہیں ہے جو کوئی مجھے اس ساری افراتفری میں یہ کرتے دیکھ سکتا۔ساری فائلز بھی رات کو کھول کر دیکھ چکی ہوں۔وارث غازی والی فائلز وہ کب کی ڈیلیٹ کر چکا ہے مگر....اس کے علاوہ بھی بہت کچھ....سینکڑوں ڈاکومنٹس ہیں اس میں جو ہمارے کام آ سکتے ہیں۔انسانی ہمدردی ایک طرف حنین' میں....اتنی جلدی....سب بھلانے والی نہیں ہوں۔'' اور میز پہ ہاتھ مارا تھا۔حسینہ نے ناشتہ بناتے مڑ کر اسے دیکھا۔(یہ غصہ ہو رہی ہے اور آگے سے حنین باجی خوش ہو رہی ہے۔پاگل ہیں دونوں!)

حنین فرطِ مسرت سے اٹھی اور زمر کے دونوں ہاتھ تھام کر دبائے۔'' آپ....آپ میری ملکہ ہیں۔'' اور جھپٹ کر وہ فلیش اٹھا کر اندر بھاگی۔زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' مسکرا کر سر جھٹکتی وہ پرس اٹھائے' بال ٹھیک کرتی' بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

حنین اگلے دو گھنٹے ان فائلز میں محو ہو کر بیٹھی رہی۔لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز' (حسینہ سے بنوائے) آلو کے چپس کھاتی' وہ صفحات پہ صفحات آگے کرتی جا رہی تھی۔آنکھوں میں چمک تھی۔تبھی گھنٹی بجی۔

اس وقت گھر پہ ابا اور حنین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔سیم اسکول' ندرت ریسٹورانٹ' زمر کورٹ۔ملازم اپنے کوارٹر میں۔وہ بادل نخواستہ اٹھی اور باہر آئی۔پورچ سے ہی اسے گیٹ کے باہر کھڑا احمر نظر آ گیا تھا۔وہ چہرے پہ نخوت لائے' چند قدم آگے آئی۔'' آ....السلام علیکم...پھپھو گھر پہ نہیں ہیں۔''

وہ اس کی طرف گھوما۔گیٹ چھوٹا تھا۔کندھوں سے اوپر وہ دکھائی دیتا تھا۔ذرا سا مسکرایا۔''میں آپ سے بات کرنے آیا تھا۔''

''جی!'' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتی تھوڑا مزید آگے چل کر آئی' پھر رک گئی۔گیٹ درمیان میں حائل تھا۔

''وہ کیا ہے مس یوسف کہ کچھ دن سے کوئی مسلسل ہمارے یعنی کاردار کے سسٹم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا' یا پھر مجھے کہنا چاہیے' کر رہی تھی؟ (حنین کی رنگت سفید پڑی) تو میں نے سوچا کہ بنفس نفیس جا کر آپ کو....حنین یوسف آپ کو ایک مہذب اور شائستہ سی وارننگ دے دوں کہ ایسی بچگانہ حرکتیں نہ کیا کریں۔ہمارے سسٹم کی حفاظتی دیواروں کو آپ نہیں توڑ سکتیں' لیکن اگر آپ نے دوبارہ کوئی ایسی حرکت کی تو میں مجبور ہو جاؤں گا' آپ کے بارے میں آپ کے گھر والوں کو بتانے پہ۔''

حنین بالکل شل سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

''کیا آپ کی امی جانتی ہیں؟ اور آپ کے دادا؟ کہ آپ کی زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔آپ کا بورڈ میں ٹاپ کرنا بھی تو ایک جھوٹ تھا نا۔آپ نے او سی پی کو بلیک میل کیا تھا' میرے پاس آپ کی اور او سی پی کی بیٹی کے پیغامات کے پرنٹ آؤٹ پڑے ہیں۔تو اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے جھوٹوں سے پردہ نہ اٹھاؤں تو آئندہ میری ورک پلیس پہ مسئلے نہ کھڑے کیجئے گا۔سنا آپ نے؟'' رسان مگر تلخی سے کہہ کر اس نے گریبان میں اٹکی برانڈڈ گلاسز نکال کر آنکھوں پہ لگائیں اور کار کی چابی کے ریموٹ کا بٹن دباتا مڑ گیا۔حنین کے حلق میں بہت سے آنسو پھنسے تھے مگر آنکھیں خشک تھیں....وہ یک ٹک' ساکت پتھر بنی وہیں کھڑی تھی۔

.....❖❖❖.....

محسن ہمیں یہ سوچ کے کرنی پڑی پہل ..... شاید وہ شخص آج بھی قیدِ انا میں ہو

فوڈلی ایور آفٹر کی بالائی منزل کے خالی ہال میں دھوپ اونچی کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔کونے والی میز پہ زمر بیٹھی' لیپ ٹاپ پہ انگلیاں رکھے' ٹائپ کرتی' وقفے وقفے سے گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتی۔تھکاوٹ سے پٹھے گویا اکڑنے لگے تھے۔تبھی انٹرکام بجا۔اس نے اٹھا کر مصروفیت سے پوچھا۔''جی؟''

''مسز زمر!'' نیچے ریسیپشن والی لڑکی تھی۔''ایک کلائنٹ ہیں آپ کے لئے۔'' وہ ذرا رکی۔''کہہ رہے ہیں کہ بیوی سے جھگڑا ہوا

ے نکل پڑا ہے۔

ں کھلی ورنہ میں پڑی نہیں ہوتی ۔۔۔ ہے ہوں ہے ہوں چھ بھی " چھ بھی ۔۔۔ ظر ہیں ہوں ہوں ہوں ہوں ہے ہوں ہے ہوں ہے

''میں بھی یہی کر رہا تھا۔''

''تم انتہائی دو نمبر انسان ہو اور نہ صرف دو نمبر بلکہ....''

''سوری۔آئندہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔'' اس نے چھے لفظوں میں سارا معاملہ ہی ختم کر دیا۔اب وہ کیسے اس سے اس بات پہ لڑے' جس پہ وہ ناراض تھی ہی نہیں؟ چند لمحے کے لئے بالکل چپ ہو گئی۔

''او کے۔آئیندہ سچ بولنا مجھ سے۔ بھلے کسی کے بھی اپارٹمنٹ میں کسی کے بھی ساتھ ہو' سچ سچ بتا دینا۔'' پھر سے رکھائی سے بول کر کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگی۔

وہ بے اختیار ہنس دیا۔''جب تم جلتی ہو نا' تو سارے کمرے میں دھواں بھر جاتا ہے۔مت جلا کرو اس سے۔تم میری محبت ہو۔مانا کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت' زیادہ پیاری' زیادہ سلجھی ہوئی' شائستہ اور نرم مزاج کی ہے' مگر تم....''

اب بہت ہو گیا تھا۔زمر نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کی۔

''ہاں مجھے پرواہ ہے۔سنا تم نے۔'' وہ غرائی تھی۔''مجھے پرواہ ہے اور اگر آئندہ تم مجھے اس کے بیس فٹ قریب بھی نظر آئے تو میں تمہارے ساتھ اتنی بے رحمانہ انداز میں پیش آؤں گی کہ....''

''جو آٹھ سال کرتی رہی ہو' رحم تو وہ بھی نہیں تھا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔زمر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔چند گہرے سانس لئے۔

''خیر اگر تم نے کوئی اور بات نہیں کرنی تو تم جا سکتے ہو۔'' وہ روکھے نروٹھے انداز میں کہہ کر کام کرنے لگی کہ....

''میں سعدی سے ملا۔''

زمر نے اتنی تیزی سے گردن اٹھائی کہ ہڈی چٹخنے کی آواز آئی۔آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی در آئی تھی۔''کب؟ کہاں؟ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟'' وہ ایک دم اٹھی اور گھوم کر اس کے ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھی۔بے چین' بے قرار سی۔

''وہ کچھ دن تک آ جائے گا۔وہ ٹھیک تھا۔ڈونٹ وری۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا مگر وہ اب اس طرح سکون میں نہیں آ سکتی تھی۔

''پلیز مجھے بتاؤ۔تم اس سے کیسے ملے۔کہاں ملے۔وہ کیسا ہے۔'' اسکی آنکھیں نم تھیں اور اس نے بے اختیار فارس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔بے تابی سی بے تابی تھی۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے نرمی سے ایک ہاتھ چھڑایا اور سیل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''میں نے تمہارے لئے اس کی ایک تصویر لی تھی۔ورنہ میں تو ہوں ہی جھوٹا۔تم کہاں مانتیں کہ میں اس سے ملا تھا۔''

زمر نے بے تابی سے فون پکڑا۔اسکرین پہ وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔رات کے وقت ریسٹورانٹ کا منظر۔اور وہ کھانا کھا رہے تھے۔

''اس کے بال دیکھو۔اس نے کٹوا دیے اور....''

''سعدی کے منہ پہ چوٹ کیسی ہے؟'' وہ تصویر زوم کر کے ایک دم بولی تھی۔سعدی کے ہونٹوں کا زخم اور گال کی سوجن صاف نظر آ رہی تھی۔فارس غازی کی بولتی بند ہوئی۔بے اختیار بال کھجائے۔

''آ....یہ چوٹ؟'' اس نے تھوک نگلا۔''شاید کسی نے مارا تھا اسے۔'' (اب کسی کی تفصیل میں وہ نہیں جا سکتا تھا۔)

''کس نے؟'' وہ غصے سے بولی تھی۔اسکرین پہ انگلی پھیرتی' تصویر کو چھو کر محسوس کرتی' وہ بہت مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

''پتہ نہیں۔اس نے....بتایا نہیں۔'' فارس نے بات بدلنی چاہی۔''تم نے اس کے بال دیکھے؟ بالکل....''

''اللہ غارت کرے ایسے لوگوں کو۔ہاتھ کیوں نہیں ٹوٹ جاتے ان کے۔قہر نازل ہو ان پہ اللہ کا....'' وہ بولتی جا رہی تھی اور فارس نے

بہت سے بے چین پہلو بدلے تھے۔''اچھا ٹھیک ہے'بس کرو۔''

''نہیں' کس نے حق دیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ اس کے ساتھ یہ سب کریں۔وہ کتنی مشکل میں ہوگا۔وہ کتنا پریشان ہوگا۔پلیز اسے واپس لے آؤ۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔اتنے ماہ بعد....سعدی کی تصویر دیکھنا....جذبات ابل ابل رہے تھے۔نم آنکھوں سے اس نے فارس کو دیکھا۔''وہ تم سے ملا تو کیسا تھا؟تم اس سے کیسے ملے؟تم نے اسے گلے لگایا؟اسے پیار کیا؟''

اور فارس غازی نے ایک نظر میز پہ ڈالی جہاں خونخوار نوکیلی نوک والے قلم رکھے تھے۔ایک تیز دھار پیپر نائف بھی پڑی تھی۔اور چند بھاری' وزنی پیپر ویٹ بھی جو کسی بھی انسان کو قتل کرنے کے لئے کافی تھے۔اس نے گہری سانس لی اور جبراً مسکرایا۔

''میں....میں اس سے بہت اچھے سے ملا۔ایک ریسٹورانٹ کا پتہ دیا تھا اسے۔وہ وہاں آ گیا میں اس سے گلے ملا' اس کا ماتھا چوما' اسے تسلی دی کہ اب وہ میرے ساتھ ہے' اس کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔اس کے زخم....منہ والے زخم کے لئے اسے آئس پیک لا کر دیا....اور....'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔(بیڑہ غرق ہو سچائی کا۔)اور زمر بہت ممنونیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کتنے اچھے' لونگ' کیئرنگ ہو تم۔سوری میں تم سے اتنے دن ناراض رہی۔میرا کیا ہے۔میں تو ایک زمانے میں سمجھا کرتی تھی کہ تمہیں لوگوں کو مارنے پیٹنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔کتنی غلط تھی میں تمہارے بارے میں۔''

اور فارس جبراً مسکرا کر کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

.....❖❖❖.....

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ..... ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا!

اس سکس اسٹار ہوٹل کا وہ ہال مہمانوں کی گول میزوں سے بھرا تھا۔پہلے صف میں ایک طرف کیمرہ مین اور رپورٹرز کی واضح اکثریت کھڑی نظر آتی تھی جو دھڑا دھڑ ڈائس پہ کھڑے شخص کی تصاویر اتار رہے تھے' ویڈیو بنا رہے تھے۔اور ایش گرے سوٹ میں ملبوس وہ وجیہہ سا ہاشم کاردار' بال جیل سے پیچھے کیے' ڈائس پہ نصب آدھ درجن مائیکس میں کہہ رہا تھا اور سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔۔۔

''مجھے آج اس فورم پہ کھڑے ہو کر چند دن قبل ہونے والے اپنے سب سے بڑے پلانٹ کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا افسوس نہیں ہو رہا۔''

فضاؤں میں کوئی اداس سا نغمہ گنگنایا جا رہا تھا۔ہولے ہولے....دھیرے دھیرے سے۔ایک سکوت سا تھا....جیسے ہر کوئی انتظار میں ہو....جیسے ہر کوئی تیار کر رہا ہو....

''افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ اگر میں اس anxiety اٹیک سے مر بھی جاتا' گو کہ میں بہت ڈھیٹ ہوں' (ہال میں قہقہہ بلند ہوا) تو میں اس پچھتاوے کو لے کر دنیا سے جاتا کہ میں لوگوں کی خیر کے لیے جتنا کر سکتا تھا' اتنا نہیں کر سکا۔''

کولمبو کے ساحل سے دور ایک لانچ سمندر کے نیلے پانی پہ تیر رہی تھی۔اس کے اندرونی کیبن میں کرنل خاور بیٹھا تھا۔شیو بڑھی ہوئی تھی' آنکھوں پہ عینک تھی' اور وہ بار بار گھڑی دیکھتا تھا۔سعدی یوسف کی تلاش ترک کر کے وہ اپنے مالک کو منانے واپس جا رہا تھا۔

''اور میرے ان سب دوستوں' وفادار ساتھیوں کا شکریہ جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب میں اپنی زندگی لوگوں کی بھلائی کے لیے وقف کر دوں۔''

کینڈی میں اس کافی شاپ کے کچن میں کھڑے سعدی یوسف کا چھوٹا' بھدا سا موبائل بجا تھا۔اس نے پیغام پڑھا اور چپ چاپ باہر نکل آیا۔چند گلیاں پیدل چلتا گیا' یہاں تک کہ سڑک کنارے نصب ایک کوڑے دان کے ساتھ رکا۔احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا پھر ڈھکن کھولا۔چند بدبودار شاپر ہٹائے تو اسے وہ نظر آ گیا۔سیاہ پلاسٹک ریپر میں لپٹا پیکیج۔اس نے اسے نکال کر کھولا۔اندر سبز پاسپورٹ تھا اور اس

پہ اسی کی تصویر لگی تھی۔چھوٹے بال' داڑھی' سبز آنکھوں کے ساتھ۔وہ ہلکا سا مسکرایا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔

''کیونکہ جب تک انسان اپنی ذات سے باہر نکل کر دوسروں کی بھلائی کے لیے نہیں سوچتا' وہ کفر کرتا ہے' سازشیں کرتا ہے' جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ایسے لوگ تو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔''

حنین بالکل نارمل سی' پتھرائے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔کمپیوٹر پرنٹرزوں زوں کی آواز کے ساتھ ایک کاغذ باہر اگلا' جسے اس نے اٹھا کر سیدھا کیا۔اس پہ احمر کی تصویر بنی تھی۔اس نے وہ کاغذ لے جا کر دیوار پہ لگی مختلف کاردارز کی تصاویر کے ساتھ چپکا دیا۔اور سیاہ مارکر سے اس کے اوپر سوالیہ نشان لگا دیا۔

(کون ہے احمر شفیع؟)

''اور میں یہ جان گیا ہوں کہ ایک بہتر انسان بننے کے لیے انسان کو اپنے بارے میں سوچنا بند کر کے دوسروں کو ترجیح دینی ہوتی ہے۔''

فارس بینک کے کیش کاؤنٹر پہ کھڑا چیک بک پہ کچھ لکھ کر دستخط کر رہا تھا۔پھر اس نے چیک کھڑکی کے اندر بڑھا دیا۔اب اندر بیٹھی لڑکی اسے نوٹوں کی گڈیاں تھما رہی تھی۔

''میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ انسان چیریٹی اپنے گھر سے شروع کرتا ہے ورنہ وہ چیریٹی کا حق نہیں ادا کر سکتا۔''

سعدی اپنے اوپری چھوٹے کمرے میں کھڑا بیگ میں سامان ڈال رہا تھا۔نوٹوں کی ایک گڈی اس نے تکیے کے اندر چھوڑ دی تھی۔

باہر کامنی ہاتھ باندھے کھڑی غصے اور صدمے سے اس کے دروازے کو بار بار دیکھتی تھی۔پھر کبھی چلا کر کہتی۔''یہ مجھ سے سچ بھی بول سکتا تھا۔میں آئندہ کبھی انسانوں کا اعتبار نہیں کروں گی۔''

''مگر اس ملک کے سارے مسائل لاکھوں اور کروڑوں کی چیریٹی دے دینے سے حل نہیں ہو سکتے۔اس ملک کے مسئلے تب حل ہوں گے جب ہم لوگوں کو انصاف فراہم کریں گے....انصاف کا مطلب ہوتا ہے فوری انصاف کیونکہ

Justice delayed is justice denied!''

زمر ریسٹورانٹ کی بالائی منزل والے ہال میں بیٹھی.... پرنٹر سے نکلتے کاغذوں کو مختلف فائلز میں لگا رہی تھی۔اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں میں چمک تھی۔وہ فائلز پہ فائلز تیار کر رہی تھی۔ثبوت در ثبوت۔ہاشم کاردار اور اس کے قرابت داروں کی کمزوریاں۔بلیک میلنگ کا مواد۔زبردست۔

''اور اگر مجھ جیسے وکلاء انصاف کی فراہمی کے لیے واقعتاً کوششیں نہیں کریں گے' تو معاشرے کے ناسور بڑھتے جائیں گے۔''

احمر شفیع قصرِ کاردار کے کنٹرول روم میں بیٹھا' کی بورڈ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کرتا' بار بار نفی میں سر ہلاتا' افسوس سا چہرے پہ در آتا جسے وہ جھٹک کر کام کرنے لگ جاتا۔

''اگر آج ہم جیسے لوگ اپنا پیسہ اور اپنی طاقت استعمال نہیں کریں گے تو ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔''

علیشا ٹارچ لئے انیکسی کی بیسمنٹ میں موجود تھی اور مسلسل تیزی سے ہاتھ چلاتی سامان الٹ پلٹ کرتی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

''پاور پلانٹ کا نقصان کوئی نقصان نہیں ہے۔اس تخریب کاری کی میں مذمت کرتا ہوں اور اس کا بدلہ میں اس طرح سے لوں گا کہ جو لوگ اس قسم کی وارداتیں کرتے ہیں' ہم ان دہشت گردوں کے بچوں کو تعلیم دیں گے۔یہی ان کی سب سے بڑی شکست ہے۔''

فیونا اپنے باتھ روم میں کھڑی اپنے بٹوے میں موجود رقم گن رہی تھی۔آنکھوں میں حسرت بھری نمی تھی۔باہر میری برآمدے میں کھڑی ملازموں پہ حکم چلا رہی تھی۔

''میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔''

جواہرات سیلون نما کلینک کی آرام دہ چیئر پہ بیٹھی تھی اور چندور کرز اسے کاسمیٹک سرجری کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل آئینے میں اپنی ناک کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہی تھی۔

''زندگی نے جو مجھے ایک دوسرا موقع دیا ہے' میں اسے ایک بہتر انسان کے طور پہ گزارنا چاہتا ہوں۔ میں اچھے کام کر کے فخر سے اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔''

فارس ایک اسٹور تیج لاکر کے اندر کھڑا تھا۔ لوہے کا اوپر سے نیچے گرنے والا دروازہ اس نے گرا رکھا تھا' اور وہ مختلف شیلف اور خانوں میں سے سیاہ چمکتا اسلحہ نکال نکال کر بیگ میں بھرتا جا رہا تھا۔ دوسرے بیگ میں چند دوسری اشیاء رکھی تھیں۔ وہ تیاری کر رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد جب میری بیٹی میرا نام لے' میرا بھائی میرا ذکر کرے' تو وہ مجھے صرف ایک فلینتھراپسٹ کے طور پہ نہ جانیں بلکہ انصاف کے لیے جدوجہد کرنے والے ایک فرض شناس شہری کے طور پہ یاد کریں۔''

نوشیرواں اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا' کریڈٹ کارڈ سے سفید دانے دار شے کو زور زور سے پیس رہا تھا۔ چہرے پہ مردنی اور آنکھوں میں گہرا گلٹ چھایا تھا۔ بار بار ان میں نمی در آتی جسے وہ کف سے رگڑ کر صاف کر لیتا۔

''لیکن...'' کیمروں اور فلیش لائٹس کی چکاچوند روشنی میں ہاشم کاردار کہہ رہا تھا۔ ''ہم زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کو بھول جاتے ہیں مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرا دوست میرا رشتہ دار....ایک پیارا نوجوان سعدی یوسف جو آٹھ ماہ پہلے ہم سے بچھڑ گیا....آج میں اس کے اور اس جیسے لاپتہ افراد کے لئے ''سعدی یوسف فاؤنڈیشن'' بنانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ فاؤنڈیشن سعدی یوسف جیسے لاپتہ افراد کے کیسز پھر سے کھلوائے گی اور ان کے خاندان کو انصاف کی فراہمی یقینی بنائے گی۔ اس میں ملک کے نامور اور ماہر وکلاء کا پینل ہوگا جو اس بات کو یقینی بنائے گا کہ....'' وہ کہہ رہا تھا۔ کیمرے کھٹا کھٹ کلک کلک کر رہے تھے۔ لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کر اس ذہین اور شاندار' ہمدرد اور رحمدل شخص کے لئے تالیاں بجا رہے تھے جو موت کے قریب جا کر واپس آیا تھا اور لوگوں کے لئے مزید بھلائی کے کام کرنا چاہتا تھا۔ بے داغ دامن اور سفید کالر والا شخص ابھی تک بول رہا تھا....

.....❖❖❖.....

میرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا ..... ضرورت آن پڑی ہے مجھے کشتیاں جلانے کی

ہاشم کاردار کے آفس کی ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں' اور وہ پادر سیٹ پہ ٹیک لگائے بیٹھا' مسکرا کر فون پہ کہہ رہا تھا۔

''تھینک یو۔ جی ایسا ہی ہے۔ گالف پہ ملتے ہیں پھر۔'' اس نے ریسیور کریڈیل پہ رکھا۔ سامنے کھڑے رئیس نے چند کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ ہاشم نے پین ہولڈر سے قلم نکالا اور عینک ناک پہ لگاتے' کاغذوں پہ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کرنے لگا۔ دفعتاً ٹھہر کر اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر اسپیکر آن کر دیا۔

''جی کاردار صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟'' ہاشم کاغذات کا سرسری معائنہ کرتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہوں ادریس۔ تم سناؤ' فارس ٹھیک کام کر رہا ہے۔''

''جی۔ آج کل چھٹی پہ گھر گیا ہے۔ پورا ہفتہ اچھا کام کیا۔ چھٹی وغیرہ نہیں کرتا تھا۔ شام میں کبھی نکلا تو نکلا' ورنہ ادھر ہی کام کرتا تھا' یہیں رہتا تھا۔ اور....'' ادریس رپورٹ دے رہا تھا۔ وہ سنتا گیا۔ کاغذ مکمل ہو گئے تو اس نے کال کاٹی اور عینک اتار کر پرے رکھی۔

''یہ لے جاؤ اور یوں کرو' آج شام کے لئے....'' کچھ بولتے بولتے ہاشم ٹھہرا۔ ابرو پر سوچ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

''یہیں رہتا تھا؟'' اس نے غائب دماغ سے دہرایا۔

''جی سر؟'' رئیس نے ناسمجھی سے پوچھا۔ہاشم ایک دم کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''ادریس نے کہا وہ یہیں رہتا ہے۔یعنی کہ کمپنی کے کوارٹرز میں۔مگر...'' وہ چونک گیا تھا۔''پچھلے سال ایک اسکینڈل کے بعد ان کی کمپنی نے بہت سخت اصول بنائے تھے۔اکیلے مردوں کو کوارٹر نہیں ملتا۔صرف ان کو ملتا ہے جن کی بیوی بچے ساتھ ہوں۔''

''آپ نے بھی سفارش نہیں کی تو ادریس نے غازی کو کوارٹر میں کیوں رہنے دیا؟'' رئیس بھی الجھا۔ہاشم کاردار نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ کوارٹر میں نہیں رہ رہا۔کوئی بھی بغیر فیملی کے ادھر نہیں رہ سکتا۔ادریس جھوٹ بول رہا ہے۔'' اور کہتے کہتے وہ خود بھی چونکا تھا۔''تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے رئیس۔مجھے پتہ کر کے دو کہ فارس غازی کراچی گیا بھی تھا یا نہیں۔اور اگر وہ نہیں گیا تھا تو وہ کہاں تھا؟''

وہ سخت لہجے میں بولا تھا اور رئیس بھی الارمڈ سا 'یس سر کہتا' باہر کو بھاگا تھا۔ایک گھنٹہ...صرف ایک گھنٹہ تھا...حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے.....

❖❖❖

باب23:

مورچال

آج تم جس دکھ کے مقام پہ ہو
میں اس جگہ سے گزر چکا ہوں۔
یقین کرو میں اس سے گزر چکا ہوں۔
تمہیں اس سے جست لگا کر نکلنا ہوگا۔
تمہیں اس سے نکالے گا صرف ایک فقرہ۔
ایک سطر۔ ایک دلیل۔
ایک کہانی جو تم خود کو سنا سکو۔
وہ کیا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا۔
اور ضروری نہیں ہے کہ وہ سچ بھی ہو۔
جب تک تم اس فقرے پہ یقین کرتی رہو!
جب تک اس کے ذریعے تم خود کو معاف کرتی رہو۔
تم ڈھونڈو وہ سطر۔ وہ فقرہ۔
وہ مقصد۔
تم اسے ڈھونڈو، تم یہ کر سکتی ہو۔
میں جانتا ہوں کہ تم یہ کر سکتی ہو۔
وہ ایک فقرہ خود کو سنانے کے لیے ڈھونڈو۔
پھر اس لائن کو مضبوطی سے تھام لو۔
اور پھر اس کی مدد سے خود کو
تاریک اندھیروں سے
باہر کھینچ نکالو۔
(شونڈا رائمز۔ بکل اپ)

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کو وہ رات اپنے داغدار' سیاہ دامن میں چھپاتی جارہی تھی جب ڈوربیل کی آواز سنائی دی۔ زمر اپنے کمرے میں تھی' سیم ہوم ورک پھیلائے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ ابا بھی وہیں موجود کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے۔ ندرت کچن میں کھڑی' با آواز بلند غیر موجود حسینہ کو کوس رہی تھیں۔ (ہزار دفعہ کہا ہے' کوارٹر میں جانے سے پہلے چائے کی کیتلی مانجھ کر جایا کرو' مگر اسی طرح چھوڑ جائے گی۔ اور یہ دیکھو.... صابن ختم.... ایک تو بندہ میکس باران ملازموں کے حوالے نہ کرے۔ گھول گھول کر ختم کر دیتے ہیں....)

جب کوئی نہ بلا تو حنہ کمرے سے باہر نکلی اور دروازے کی طرف آئی۔ اتنے میں پورچ سے اندر کھلتے دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی۔ (ایسا کون ہے جو باہر گیٹ سے اندر آ بھی گیا اور صداقت نہیں جاگا؟)

''کون؟'' اس نے پوچھا۔ جواب میں خاموشی۔ حنین نے جی کڑا کر آواز بلند کی۔ ''کون؟''

''تو اب میں کون ہو گیا ہوں؟'' فارس کی آواز پہ حنین کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں خوشگوار حیرت ابھری' اور لبوں پہ مسکراہٹ۔ پہلے لپک کر کھولنے لگی' پھر رکی۔ (میں تو ناراض تھی۔) چہرے کے تاثرات سخت کیے' ماتھے پہ بل ڈالے اور دروازہ کھولا۔ پھر بازو سینے پہ لپیٹے' تند ہی سے سامنے دیکھا جہاں وہ دو اسٹیپ نیچے کھڑا تھا۔ ہاتھ سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے' اپنی سنہری آنکھیں اس پہ جمائے' وہ سادگی سے مسکرا رہا تھا۔ چھوٹے کٹے بال ویسے ہی تھے' البتہ رنگت ذرا کملائی ہوئی لگ رہی تھی۔ ''ہیلو حنہ۔''

''وعلیکم ہیلو۔ آپ کو پہچانا نہیں۔ کیا آپ یہیں رہتے ہیں؟ کیا آپ اس فیملی کا حصہ ہیں؟ اوہ مگر نہیں۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپاتے' کراچی کا کہہ کر کولمبو نہیں چلے جاتے' اور جب واپس آجاتے ہیں تو اسی روز ریسٹورانٹ میں اپنی بیوی کو وزٹ کرنے کے دو دن تک اپنے گھر والوں کو بھولے نہیں رہتے۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں نا' وہ....'' خفگی سے وہ تیز تیز بولے جارہی تھی اور وہ جو سکون سے' مسکراہٹ دبائے سن رہا تھا' آگے بڑھا' دو قدم اوپر چڑھا اور اس کے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کر اس کا ماتھا چوما۔ ''بلیک کافی' ہلکی چینی اور ذرا سی کریم کے ساتھ۔ ایک بڑا مگ۔ لاؤنج میں لے آؤ۔'' اور وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گیا اور حنین کی زبان' جذبات اور غصے کو بریک سی لگ گئی۔ چند لمحے تو سمجھ نہیں آئی کہ دو دن سے تیار شدہ' بار بار ریہرسل کردہ تقریر مکمل کیوں نہ کر سکی۔ پھر اس کے پیچھے لپکی۔ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟'' ساری ناراضی اڑنچھو ہو گئی تھی' اور آواز میں بے قراری آگئی تھی۔

''میری کافی کہاں ہے؟'' اور اندر چلتا گیا۔ حنین اس سے زیادہ تیزی سے اندر بھاگی۔ اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔ پیچھے سے اس نے چیخ چہکار سنی۔ سیم نے اسے دیکھ کر کوئی نعرہ لگایا تھا' ندرت بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں' ابا خوشی سے کچھ کہہ رہے تھے۔ حنہ نے کچھ نہیں سنا۔ کچن میں آتے ہی چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ جلدی جلدی کافی بنائی۔ ٹرے میں سجائی اور اسے لئے باہر لاؤنج میں آئی۔

اب وہ صوفے پہ بیٹھا تھا' آگے ہو کر' اور ساتھ بیٹھی ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا' کہ اسے لے آؤں گا۔ وہ میرے ساتھ آیا نہیں ہے' مگر وہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے۔''

ندرت کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ''اگر وہ ٹھیک ہے تو فون کیوں نہیں کرتا۔ گھر کیوں نہیں آتا؟'' حنہ نے ٹرے سامنے رکھی اور خاموشی سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

''فارس' کیا تمہیں یقین ہے کہ ہاشم نے ہی یہ سب کروایا ہے؟''

ابا سنجیدگی بھری فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔ کارپٹ پہ فارس کے قدموں کے قریب بیٹھا سیم فوراً بول اٹھا۔ ''یہ بات ڈسکس کرنے سے منع کیا تھا زمر نے۔''

حنین نے رکھ کر اس کے سر کی پشت پہ تھپڑ لگایا۔ ''زمر' پھپھو نے۔''

''کیا ہے؟ اب تو مجھے بھی سارے راز پتہ ہیں۔'' سیم کا خیال تھا زمر کو اس کے نام سے پکارنے کا یہی کرائے ٹیریا تھا۔

''جی ہاں۔'' وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں شرمندہ ہوں کہ پہلے نہیں بتا سکا' مگر یہ سچ ہے۔ وہی ہمارے دشمن ہیں۔''

''میرا بھائی کہاں ہے۔'' حنہ نے اب کے چڑ کر پوچھا۔ فارس نے اسے دیکھا تو وہ گلہ آمیز نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ کچھ دن تک آئے گا۔ میرے ساتھ نہیں آیا۔'' فارس کہہ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر ہلکا سا بولا۔ ''آئی ایم سوری حنہ' مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' اور اگر حنین کی کوئی خفگی رہی بھی تھی تو اب دور ہو گئی۔ وہ کھل کر مسکرا دی۔

''میں زمر کو بتاتی ہوں کہ آپ آ گئے ہیں۔ خود سے تو ملکہ عالیہ آئیں گی نہیں۔'' آخری فقرہ دبی سرگوشی میں کہہ کر وہ جلدی سے اٹھ آئی۔

زمر اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی اور چند صفحات اسٹیپل کر رہی تھی۔ بال آدھے باندھے' آدھے کھلے تھے' اور نظریں کاغذ پہ جھکی تھیں۔ حنہ میز کے کنارے پہ آ ٹکی اور سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جب میں پندرہ منٹ پہلے یہاں کھڑی آپ کو احمر شفیع کے وزٹ کے بارے میں بتا رہی تھی تو آپ نے اتنی پیاری لپ اسٹک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ اور آپ نے یہ ٹاپس بھی نہیں پہن رکھے تھے' اور کاجل بھی نہیں ڈالا ہوا تھا۔'' ابھی وہ کپڑوں کے بارے میں بھی کچھ کہتی جب زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر ایک ''نظر'' اس پہ ڈالی اور حنہ جلدی سے گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ ''میرا مطلب ہے' وہ احمر والی بات....''

''میں احمر سے بات کروں گی۔''

''اب جو کروں گی' میں خود کروں گی۔ جب مجھے علیشا کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں نے فوراً اگلے دن مسز جواہرات کو بتا دیا تھا سب۔ جب مجھے اور آپ کو ہاشم کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں آپ کی طرح رونے نہیں لگی تھی۔ خاور کے پاس چلی گئی تھی۔ آپ صرف شدید حالات میں روتی ہیں۔ میں شدید حالات میں آگے کا سوچتی ہوں۔ احمر شفیع کے یہاں آنے سے میں ڈپریشن لے کر کونے میں نہیں پڑ جاؤں گی بلکہ یہ جاننے کی کوشش کروں گی کہ احمر شفیع کون ہے؟ اس کے پاس میرا راز ہے' ہمارے پاس اس کے راز ہونے چاہئیں۔ خیر' آپ باہر آ جائیں۔ فارس ماموں آئے ہیں۔ یقیناً ان کی آواز تو نہیں سنی ہو گی آپ نے۔'' آخری فقرہ معصومیت سے ادا کیا تھا۔

زمر پھر بھی کچھ وقت لگا کر باہر آئی تھی۔ ندرت اور ابا اسی پوزیشن میں بیٹھے فارس سے سعدی کی باتیں کر رہے تھے' سیم اس کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ بار بار زوم اِن زوم آؤٹ کر کے۔

''مگر وہ آیا کیوں نہیں؟'' ابا نے اب کے اکتا کر پوچھا تھا۔

''کیونکہ اسے انصاف چاہیے۔'' زمر سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور فارس کے مقابل صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' اور سر کو اثبات میں خم دے کر بولا۔ ''وعلیکم السلام۔''

''تم دو دن سے ہوشہر میں' میں مل چکی ہوں تم سے پہلے بھی۔'' بے نیازی سے کہہ کر نظروں کا رخ ابا کی طرف پھیرا۔ ''سعدی نے کہا ہے فارس سے کہ اسے انصاف چاہیے۔ اسے ہاشم کاردار کے خلاف کورٹ میں کیس کرنا ہے (فارس تصحیح کرتے کرتے رک گیا۔) اور مجھ سے پوچھیں تو یہی درست راستہ ہے۔ ہمیں عدالت میں جانا چاہیے۔''

''عدالت میں؟'' ابا دھک سے رہ گئے۔ ندرت نے ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ''ہاں تو کرنے دو کیس۔ فارس کا کیس بھی تو اتنے سال بھگتایا تھا' یہ بھی بھگتا لیں گے۔''

''نہیں آپا' وہ کیس سرکار پاکستان لڑ رہی تھی فارس غازی کے خلاف۔ میں اس کیس میں ''دفاع'' تھا' استغاثہ نہیں۔ کسی کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے' بہ نسبت مجرم ثابت کرنے کے۔ یہ کیس ایسا نہیں ہو گا۔ اس میں ہمارے مقابلے پر کاردار زہوں گے۔ ہمارا سارا پیسہ

خرچ ہو جائے گا' ہم عدالتوں کے دھکے کھائیں گے اور آخر میں ہم کیس ہار جائیں گے کیونکہ اس ملک میں انصاف نہیں ہے۔ نہ انصاف ملے گا۔ میں سعدی کا ساتھ اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ ہم ایک خاندان ہیں۔ مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔'' سنجیدگی سے اس نے دوٹوک بات کی تھی۔ وہ قطعاً خوش نہیں تھا۔

''کیا کیس کرنا ضرور ہے؟'' حنین الجھ کر بولی۔ ''بھائی واپس آ جائے' ہم لوگ پھر سے ہنسی خوشی رہیں' اور بظاہر ہم خود کو نارمل ظاہر کریں اور وقت آنے پہ اپنا بدلہ لے لیں' اتنا بہت ہے نا۔'' حنین کے لئے جو بہت آسان تھا' اب وہ ذرا کم آسان لگ رہا تھا۔

''تم ایک انسان کو قید میں ڈالنے کے بعد اس سے یہ توقع نہیں کر سکتی کہ وہ فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ وقت تو لگے گا۔'' وہ اسے اب سمجھا رہا تھا اور زمر سعدی کے فیصلے کے حق میں ابا کو دلائل دے رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

اب اپنے بھی سائے کا بھروسہ نہیں یارو ..... نزدیک جو آئے ہے وہی وار کرے ہے

وہ داغدار رات کا ردارز کے آفس پہ بھی اسی طرح پر پھیلائے ہوئے تھی۔ رئیس کو ملے گھنٹے کے مکمل ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے جب وہ ہاشم کے آفس میں دوبارہ داخل ہوا۔ چوکھٹ پہ ذرا دیر کو ٹھٹکا۔ ہاشم تنہا نہیں بیٹھا تھا۔ گو کہ وہ جس طرح انگوٹھے کے ناخن سے تھوڑی کو رگڑتے' سوچتی نظروں سے خلا میں دیکھ رہا تھا' یوں لگتا تھا جیسے واقعی تنہا بیٹھا ہو' مگر سامنے جواہرات براجمان تھی' اور چائے کی پیالی سے گھونٹ بھرتی اس کی فراغت کی منتظر نظر آتی تھی۔

رئیس آگے آیا اور جواہرات کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ ہاشم نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ ''کیا پتہ چلا؟''

''فارس غازی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس نے واقعی غازی کے نام کا کمرہ الاٹ کر رکھا ہے۔ غازی نے بیوی کو بلانے کا وعدہ کیا تھا' علاج وغیرہ کروانا ہے۔ شاید اس کی بیوی کا گردے کا مسئلہ پھر سے شروع ہو گیا ہے۔''

جواہرات کی انگلیاں بے اختیار اضطراری انداز میں گردن میں پڑے لاکٹ کو مروڑنے لگیں۔ چہرے پہ بدقت مسکراہٹ برقرار رکھی۔

''وہ اسی کمرے میں رہ رہا ہے یا نہیں؟'' ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ علاج والی بات پہ دھیان نہیں دیا۔

''ریکی کرنے کسی کو کراچی بھیج رہا ہوں۔ ایک دو دن میں سب پتہ چل جائے گا۔ فارس غازی کے گھر والوں کے فونز ہنوز ٹیپ کر رہا ہوں۔ ابھی تک سعدی یوسف نے ان سے رابطہ نہیں کیا نہ ان کی باتوں سے ایسا لگتا ہے۔'' ہاشم نے اکتا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

''زمر نے علاج کروانا ہے؟ کیوں اسے کیا ہوا؟'' جواہرات نے سرسری سا لہجہ اختیار کیا۔

''یہ ناممکن نہیں ہے۔'' ہاشم اپنے دھیان میں تھا۔ ''اس نے مجھ سے الیاس فاطمی کا ذکر کیا تھا کہ فاطمی نے اسے سب بتایا ہے' مگر ہو سکتا ہے وہ پہلے سے جانتا ہو' اور مجھے اور فاطمی کو الگ کرنا چاہتا ہو۔ میں اس دن سے فاطمی کی نگرانی کروا رہا ہوں' اگر اسے معلوم ہو گیا تو وہ میرا دشمن بن جائے گا۔'' ہاشم بار بار نفی میں سر جھٹکتا تھا۔

''فارس واقعی زمر کا علاج کروانا چاہتا ہے' اس میں ناممکن کیا ہے؟ ان لوگوں کو کچھ نہیں پتہ۔ بے کار مت سوچا کرو۔'' بدمزہ سی ہو کر اس نے پہلو بدلا۔ ''اب اپنا موڈ بہتر کرو۔ جو ہوا' سو ہوا۔ ہم ایک فیملی ہیں' اور فیملی سے زیادہ دن ناراض نہیں رہتے۔'' آگے بازو بڑھا کر اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی۔ ہاشم نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔ کوفت کا شکار ہوں۔ آپ کے ہر اس عمل پہ جو آپ ہارون کے لئے کرتی ہیں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہماری فیملی کے درمیان دراڑیں نہ پڑیں تو ہارون کو سنجیدہ لینا چھوڑ دیں۔ جب سے وہ شہر میں واپس آیا ہے' میں یہ سب دیکھ رہا ہوں اور

برداشت بھی کررہا ہوں' اب نہیں کروں گا۔'' اس کی آنکھوں میں گہری کاٹ تھی۔ جواہرات اندر تک دہل گئی مگر بظاہر سکون سے مسکراتی رہی۔

''برداشت تو تمہیں اسے ساری زندگی کرنا ہوگا اور میں جو اس کے ساتھ اتنے اچھے سے پیش آتی رہی۔ وہ اپنے لئے نہیں تھا۔ تمہارے اور آبی کے لئے تھا۔''

ہاشم کے تاثرات بدلے' آنکھوں کی سختی کم ہوئی۔

''تم آبی کی طرف نہیں بڑھتے تھے' کیونکہ تمہارا باپ تمہاری شادی نہیں ٹوٹنے دینا چاہتا تھا اور اس کا باپ تمہیں اس کو اپنانے نہیں دے گا۔ مگر شادی بھی ٹوٹ گئی' اورنگزیب بھی اسی صدمے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا' اور اب.... میرے اتنے احسانوں کے بعد ہارون بھی کوئی پس وپیش نہیں کرے گا۔ اب تمہیں آبی سے بات کرنی چاہیے۔ اور سنو' صرف آبی سے۔ ہارون سے مت کہنا کچھ۔ ابھی سے اس کو اتنا سر چڑھاؤ گے تو آگے مشکل ہوگی۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ پرس اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اس نے آہستہ سے سوچ میں گم اثبات میں سر ہلایا تھا۔

.....❖❖❖.....

یاس وغم' رنج وتعب میرے ہوئے دشمنِ جاں ..... اے ظفر شب انہی دو چار نے سونے نہ دیا

قصرِ کاردار رات کی تاریکی میں بھی جگمگا رہا تھا۔ اس کے ورے بنی انیکسی کے دروازے کو علیشا لاک کررہی تھی جب....

''ہیلو!''

وہ ڈر کر اچھلی۔ مڑ کر دیکھا تو سنجیدہ سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔ علیشا کی رنگت پھیکی پڑی۔ ''میں یہاں صرف....'' خشک لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے بات بنانے کی کوشش کی تو شیرو نے ہاتھ اٹھایا۔

''سن چکا ہوں فیونا سے۔ تم انیکسی دیکھنا چاہتی تھیں' اس لئے یہاں آئی۔ یہ بھی ایک جھوٹ ہوگا' مگر چونکہ تمہارا تعلق ایک جھوٹے خاندان سے ہے تو ٹھیک ہے۔ تم جو بھی کرو' بس اس کاغذ پہ سائن کردو۔'' آنکھوں میں ناگواری لئے' اکھڑے لہجے میں کہتے ہوئے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔ ''اس کے بعد میرے شیئرز میرے پاس واپس آجائیں گے اور تم ایک خطیر رقم لے کر واپس چلی جاؤ گی۔''

''تم سب ایک ہی جیسے ہو۔'' علیشا نے بے بسی بھرے غصے سے کہتے ہوئے فائل کھینچی اور دھپ دھپ کرتی آگے بڑھ گئی۔

نوشیرواں برآمدے کے زینے پہ آبیٹھا اور اداس نظروں سے سامنے نظر آتے قصر کو دیکھنے لگا۔ سامنے اس کے اپنے کمرے کی بالکونی تھی جس میں.... یونہی.... ایک پرانا منظر سا ابھرا.... بالکونی کے دروازے سے لگا.... نوشیرواں کا ردار.... آٹھ سال پہلے ڈرگز کی اوورڈوز سے مررہا تھا اور ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا اسے بچانے آیا تھا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔ پیروں پہ نمی محسوس ہوئی تو دیکھا۔ اس کا لیبراڈار اس کے پیر چاٹ رہا تھا۔

''جیکی.... میں نے تمہاری جان نہیں بچائی کبھی۔ صرف کھانا دیا ہے' پھر بھی تم احسان مانتے ہو' تو میں کیوں بھول گیا؟'' وہ کتے سے مخاطب ہوا تھا۔ ''میں نے یہ کیا کردیا؟'' دکھ اور پشیمانی کی لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ ''میں اس رات سے کبھی بے خواب نیند نہیں سو سکا' مجھے ہر مائع شے کا رنگ سرخ لگتا ہے' لقمہ منہ تک لے کر جاؤ تو وہ خون آلود نظر آنے لگ جاتا ہے' میں کیا کروں' جیکی؟'' اس نے سر اٹھا کر وحشت سے اوپر چھائے آسمان کو دیکھا۔ ''میرا ایک حصہ کٹ کر اس رات گر گیا تھا' وہیں اس زیرِ تعمیر مکان کی خون آلود مٹی میں.... اور ''اس'' کا ایک حصہ میرے اندر آبسا تھا۔ وہ حصہ ہر پل میرے ساتھ سانس لیتا ہے' ہر دن کے ساتھ بڑا ہوتا جاتا ہے' جیسے میں اپنے پہلو میں کسی وحشی جانور کے بچے کو جوان ہوتے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر اس نے نفی میں سر جھٹکا اور فون نکالا۔

''جی نوشیرواں! سائن کردیے علیشا نے؟'' زمر نے دوسری گھنٹی پہ فون اٹھالیا تھا۔

''مسز زمر' حسد کیا ہوتا ہے؟'' وہ ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے' دوسرے سے آنکھیں ملتا پوچھنے لگا۔ زمر نے گہری سانس لی تھی۔

''حسد وہ ہوتا ہے جو سب کو محسوس ہوتا ہے' کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی سے۔ مگر احمق لوگ اس کا کھل کر اظہار کر دیتے ہیں' اور عزت دار لوگ اس کو چھپا لیتے ہیں۔''

''ضروری تو نہیں کہ ہمیں کسی سے حسد ہی ہو' ہم ایسے بھی تو کسی کو ناپسند کر سکتے ہیں نا۔'' وہ مزید بے چین ہو گیا تھا۔

''حاسد تین درجوں سے گزرتا ہے نوشیرواں۔ سب سے پہلے اس کا دل تنگ ہوتا ہے ہر اپنے سے بہتر شخص کی تعریف سننے پر۔ پھر وہ اس کو اپنے دل میں بھی کمتر جاننے لگتا ہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا قد گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور آخر میں وہ اس شخص کو نقصان پہنچاتا ہے'۔ جسمانی اذیت سے قتل تک۔ دنیا کا پہلا قتل حسد پہ ہوا تھا' اور آخری قتل تک یہ جذبہ انسان سے انسان کو مرواتا رہے گا۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا؟'' نوشیرواں میں مزید سننے کی تاب نہ تھی' اس نے فون بند کر دیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کے گرد بہتے اندھیر بھنور بڑھتے جا رہے تھے.... گویا اس کو نگلنے کے لئے بے تاب ہوں۔

❖❖❖

اک عمر سنائیں تو حکایت نہ ہو پوری ..... دو روز میں ہم پر جو یہاں بیت گئی ہے

فروری کی تیسری صبح دھند آلود سی تھی۔ سارے مناظر دل کے آئینے کی طرح دھندلائے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور تک 'بصارت' جاتی' اس کے آگے 'بصیرت' ختم ہو جاتی۔ ایسے میں اپنے بیڈ روم میں بیڈ پہ کمبل گردن تک تانے' ماتھے پہ بازو رکھے سوتی ہوئی زمر دکھائی دیتی تھی۔ فارس کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ نگاہیں باہر جمی تھیں۔ دفعتاً وہ کچھ دیکھ کر چونکا' پھر باہر نکل گیا۔

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا لان فجر کے اندھیرے اور دھند میں نہایا ہوا لگتا تھا۔ فارس نے جیسے ہی باہر پورچ کی طرف کھلتا دروازہ کھولا' باہر کھڑی حنین کا ہتھوڑا اسی طرف آیا۔ وہ بروقت پیچھے ہوا اور حنہ نے بھی ''اوہ'' کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ اسی دروازے پہ کچھ ٹھونک رہی تھی جس کو فارس نے کھولا تھا۔

''کیا کر رہی ہو اتنی صبح؟'' آنکھوں میں حیرت لئے وہ باہر نکلا اور سر سے پیر تک حنین کو دیکھا۔ وہ ہُڈ والا سوئیٹر پہنے' ہُڈ سر پہ گرائے ہوئے تھی۔ ایک ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور دوسرے کو کمر کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ نگاہیں بھی موڑ لیں۔

''تو آپ مجھ سے ناراض ہیں' حنین بی بی؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے' چوکھٹ سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ حنین نے پلکیں اٹھائیں اور خفا آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''آپ کے خیال میں سوری کر لینے سے وہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟''

''میں نے رات کو جھوٹ بولا تھا جب میں نے تم سے معذرت کی۔ میں یہ سب چھپانے پہ بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوں حنین۔ میں یوں تم لوگوں کی حفاظت کر رہا تھا۔''

''زمر ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ انتہائی دو نمبر انسان ہیں۔'' خفا سی مڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''مگر آئی ایم سوری' اگر میں نے دل دکھایا ہے تو۔'' اب کے نرمی سے بولا تو حنہ کا دل پگھل گیا۔ بغیر مڑے' وہ پشت کئے کھڑی آہستہ سے بولی۔ ''ہم اس رات وارث ماموں کے ساتھ تھے.... ہم دونوں نے ایک ساتھ ان کو آخری دفعہ دیکھا تھا۔ ہم اس سب میں ساتھ تھے' آپ کو مجھے ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔''

''میں پہلے ہی ڈوبی ہوئی کشتی ہوں حنین' اپنے ساتھ دوسروں کو نہیں ڈبو سکتا۔ یہ کر کیا رہی ہو؟'' اس نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکال لئے تو وہ پوچھنے لگا۔ حنہ نے جواب دیے بنا وہ شے دروازے پہ رکھی اور کیل جما کر ٹھوکنے لگی۔ فارس نے آگے ہو کر دیکھا۔ وہ ایک نیم پلیٹ

تھی۔لوہے کی تختی۔اس پہ اُردو میں لکھا تھا۔''مورچال۔''

''مورچال؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟''

''مورچال...یعنی چیونٹی کا گھر...یہ پرانی اُردو کا لفظ ہے۔اسی سے ماڈرن اُردو کا لفظ ''مورچہ'' نکلا ہے۔چیونٹی کا گھر بھی کسی مورچے سے کم نہیں ہوتا نا۔''

''اچھا۔'' وہ مسکرایا۔''یہ اس طرح نہیں ٹھونکا جائے گا۔ڈرل استعمال کرو۔''

''میں کوئی مستری' یا ترکھان نہیں ہوں جو ڈرل استعمال کروں۔'' اس صبح تک حنین یہی سمجھتی تھی سو کہہ گئی۔فارس چپ ہو گیا۔

''بھائی گھر آ جائے گا نا۔'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

فارس جواب دیے بنا سوچتی نگاہوں سے دور دھند آلود آسمان کو دیکھنے لگا.... ہر گزرتے لمحے وہ دور جا رہا تھا....اس مورچال سے دور....اس زمان و مکاں کی حد سے دور....

زرتاشہ کا ولیمے کا جوڑا فیروزی رنگ کا تھا۔ساتھ میں نازک سی ڈائمنڈ جیولری پہن رکھی تھی۔بال جوڑے میں بندھے تھے' اور دوپٹہ جوڑے کے اوپر ٹکا تھا۔وہ کچھ فکرمند' کچھ پرجوش' ہر زاویے سے خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اس کو۔

وہ دونوں برائیڈل روم میں تنہا تھے۔ندرت آپا ابھی ابھی گئی تھیں اور زرتاشہ جو اتنی دیر سے ضبط کر کے سوبر بنی بیٹھی تھی' اب جلدی سے اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تم کیوں پریشان ہو' زرتاشہ؟'' وہ تحمل سے بولا تھا۔زرتاشہ نے مڑ کر اسے دیکھا تو کاجل بھری آنکھوں میں ملے جلے جذبات تھے۔

''میرا میک اپ اوور تو نہیں لگ رہا؟ تین مہینے سے اپائنمنٹ لے رکھا تھا' کہہ کہہ کر تھک گئی مگر کچھ گڑبڑ کر دی اس نے۔بیس زیادہ لگ گئی ہے شاید۔میں اسٹیج پہ جا کر بری تو نہیں لگوں گی؟ اوہ میں بہت نروس ہوں فارس' میں کیا کروں؟'' اس کے انداز میں کچھ بچوں جیسا تھا جو فارس کو اپنی زندگی کی ساری نارسائیاں بھلا دینے کے لئے کافی تھا۔وہ ہلکا سا مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے ایش گرے سوٹ پہن رکھا تھا اور بال ہمیشہ کی طرح بہت چھوٹے نہیں تھے' ذرا بڑے تھے۔قد میں وہ اس سے قدرے لمبا تھا۔چلتا ہوا آیا اور اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما۔

''تم بہت پیاری لڑکی ہو' تم اسٹیج پہ جاؤ گی تو کوئی تمہیں برا نہیں کہے گا۔اگر کوئی تعریف نہ کرے تو وہ جلتا ہو گا تم سے۔'' اور اس نے دیکھا' زرتاشہ کے تنے اعصاب واقعتاً ڈھیلے پڑے' چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔''میں اچھی لگ رہی ہوں؟''

وہ پھر سے مسکرایا۔''ہاں۔'' تبھی دروازہ کھلا۔فارس نے گردن موڑی' اور چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار گردن واپس پھیر لی۔چہرے کی رنگت بدلی تھی۔زرتاشہ کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا دیے۔زرتاشہ نے چوکھٹ کو دیکھا' پھر مسکرا کر سلام کیا۔

''سوری' میں سمجھی سعدی ادھر ہے....کہاں گیا؟'' زمر کہہ کر اپنے موبائل پہ نمبر ڈائل کرتی الجھ کر واپس مڑ گئی تھی۔زرتاشہ نے فارس کو دیکھا۔''یہ آپ کے بھانجوں کی پھپھو ہے نا؟'' نئے نئے رشتے یاد کرنے میں وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

''ہوں۔'' وہ اپنا موبائل نکالتا مڑ گیا اور خواہ مخواہ بٹن دبانے لگا۔چند لمحوں میں ماحول میں کوئی نادیدہ سا کھنچاؤ در آیا تھا۔دل میں کچھ زور سے ٹوٹا تھا۔وہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا۔گھنگریالے بال' ناک کی لونگ....لباس کا رنگ شاید نیلا تھا۔اس نے سر جھٹکا اور باہر نکل گیا۔زرتاشہ شادی کے پہلے ''تھری ڈے فیز'' سے باہر نہیں نکلی تھی' اور یہ وہ تین دن تھے جن میں کچھ معلوم نہیں پڑتا کہ کون آ رہا ہے۔کون جا رہا ہے۔کیا ہو رہا ہے۔وہ ہواؤں میں تھی' سو محسوس نہ کر سکی۔

اسٹیج پہ جب وہ فوٹوشوٹ کے وقت زرتاشہ کے ساتھ کھڑا تھا تو اپنے اندر کے کھچاؤ پہ قابو پا چکا تھا۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا اور نیلے کپڑوں کی جھلک کو کنکھیوں سے دیکھ کر بھی اس نے کوشش کی کہ وہ مسکراتا رہے مگر تب وہ اچھا اداکار نہیں تھا' سو مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ آ کر کھڑی ہوئی تھی اور مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ فوٹوشوٹ ختم ہوتے ہی وہاں سے اتر آیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ ہاشم اور شہرین اسٹیج پہ چڑھ رہے ہیں مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد۔ جب وہ دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا' وارث وہاں آ رکا۔ اس کے دوستوں کے ادھر ادھر مصروف ہونے کے بعد اس نے سنجیدگی سے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم اپنی فیملی کو ہاشم سے دور رکھو۔ وہ تمہارے اترتے ہی زرتاشہ سے تمہارا ذکر نامناسب الفاظ میں کر رہا تھا۔ زمر وہاں کھڑی تھیں۔ انہوں نے تمہیں ڈیفینڈ کیا تو ہاشم مسکرا کر چپ ہو گیا۔ اس کی مسکراہٹ سے لگتا ہے وہ کل کو تمہاری بیوی کے سامنے زمر کا نام لے کر اسے بدگمان کرنے کی کوشش کرے گا۔''

فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ کچھ نہیں جانتا۔''

''وہ ہاشم کا ردار ہے۔ وہ سب جانتا ہوتا ہے۔'' فارس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اپنے راز کا عیاں ہو جانا.... بہت غیر آرام دہ کر دینے والا خیال تھا۔ وہ بری طرح ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ مگر اس واقعے نے اس کو محتاط کر دیا تھا۔ بے حد محتاط.....

مورچال کی تختی دروازے پہ نصب ہو چکی تھی۔ جس کی مسلسل' ٹھک ٹھک کی آواز بند ہو چکی تھی۔ سناٹے نے اسے چونکایا۔ وہ پورچ میں رکھے جھولے پہ بیٹھا تھا' اور اس سے فاصلے پہ دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑی تھیں۔ زمر بال کان کے پیچھے اڑستی' خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ شال کندھوں کے گرد لپیٹے' باہر آ کھڑی ہوئی تھی اور حنین اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ فارس سر جھٹک کر اٹھا اور ان کے قریب چلا آیا۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ ہو گئیں۔ وہ بھی خاموشی سے ساتھ سے گزرنے لگا تو زمر بولی۔ ''ہم علیشا کی بات کر رہے تھے۔''

فارس سنجیدگی سے ان دونوں کی طرف گھوما۔ ''اچھا میں سمجھا صرف میں باتیں چھپاتا ہوں' میں راز رکھتا ہوں' میں جھوٹ بولتا ہوں۔''

حنین ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور زمر کی رنگت ذرا خجالت سے پھیکی پڑی۔ ''وہ میں....''

''میں سن چکا ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کہ تین گز دور بیٹھے آدمی کو آواز نہیں آتی۔ وہ بھی نسوانی آواز جو مردانہ آواز سے زیادہ دور تک جاتی ہے۔ یہ جو آپ دونوں اسٹڈی میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتی ہیں' اور ادھر بیسمنٹ میں رات کو بیٹھ کر باتیں کرتی تھیں' مجھے سب سنائی دیتی تھیں۔ وہ ویڈیو بھی دیکھ چکا ہوں جو آپ کے (زمر کو مخاطب کر کے) بغیر پاسورڈ لگے لیپ ٹاپ میں پڑی ہے۔ جو سعدی نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے (حنین کو گھور کر) پاس فروزن فلم پڑی ہے جو ہاشم کی فلیش سے نکلی ہے' اور وہ جوڈا کومنٹس آپ پرنٹ کر رہی ہوتی ہیں آج کل' زمر بی بی' وہ بھی دیکھ چکا ہوں۔ علیشا اپنے کی چین میں کیوں انٹرسٹڈ ہے' یہ بھی پتہ کر لوں گا۔ اگر مزید کچھ کہنا ہے آپ نے تو بتائیں۔''

ہر وقت کے گلے شکووں کا رخ الٹا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں' کبھی فارس کو۔ پھر زمر نے (بظاہر) بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ ''ہاں ٹھیک ہے' ہم کافی عرصے سے واقف تھے کہ سعدی پہ حملہ ہاشم نے کروایا اور....''

''نوشیرواں!'' وہ بے اختیار بولا۔ زمر رک گئی۔ فارس پہ جمی آنکھوں میں استعجاب سا نمایاں ہوا۔

''سعدی کو.... گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔''

زمر بالکل پتھر کا بت بن گئی تھی۔ سفید۔ شل۔ حنین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''وہ لوزر؟ اس کی یہ ہمت؟'' وہ غصے میں آ گئی تھی۔ ''اس نے کیوں کیا یہ؟''